330
سیریز
سازش کی جڑیں
اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ناشر : طاہر ایس ملک
تزئین : محمد سعید نامدار
سرورق : انداز

طاہر ایس ملک
نے (صفدر علی) وا عبد الرشید پرنٹرز، لاہور
سے چھپوا کر
انداز پبلی کیشنز (مطبوعات اشتیاق) لاہور
سے شائع کیا۔

قیمت -/30 روپے

انداز
پبلی کیشنز
ANDAZ PUBLICATIONS

9/25-A ناصر سٹریٹ، ساندہ کلاں لاہور۔ (پاکستان)
فون نمبر: 7246356-7112969

حدیث شریف

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب لوگوں میں سے ہلکے عذاب والے شخص سے کہے گا کہ اگر تیرے قبضے میں دُنیا و مافیھا اور اس کے مثل مال و دولت ہوتی تو کیا تُو آج وُہ سب کچھ اس عذاب سے چھٹکارا پانے کے لیے فدیے میں دے دیتا، وُہ کہے گا کہ ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ (تو جھوٹا ہے) مَیں نے تو تجھ سے اس سے بھی آسان تر چیز مانگی تھی، جب کہ تو ابھی پشتِ آدم میں تھا۔ وُہ یہ کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا، ورنہ تمھیں جہنم میں داخل کروں گا، مگر تُو نہ مانا اور شرک ہی کیا۔ (مُسلم)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ہاتھ سے ایک خط کھینچا اور پھر فرمایا یہ اللہ کی سیدھی راہ ہے، پھر دائیں بائیں کئی خطوط کھینچے اور فرمایا، یہ بھی راستے ہیں، ان میں سے ہر ایک پر شیطان کھڑا ہے جو اپنی طرف

بلاتا ہے ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ آیت تلاوت کی :

ترجمہ: "میری یہ سیدھی راہ ہے ، اس پر چلو ، دُوسرے راستوں کے تابع نہ ہو"

(نسائی ، امام احمد)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے ، وُہ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ، جو شخص غیر اللہ کو (یعنی اللہ کے سوا کسی اور کو) پُکارتے پُکارتے مر گیا ، وُہ جہنم میں داخل ہو گا ۔

(بُخاری)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ، جس شخص کو اس حالت میں موت آئی کہ اس نے شرک نہیں کیا تو وُہ جنت میں داخل ہو گا ۔

(مُسلم)

دو باتیں

السلام علیکم !

مُلک میں ایک نئی تبدیلی آئی ہے ۔ اس کو آپ تعلیمی تبدیلی بھی کہہ سکتے ہیں ۔ یعنی اب امتحانات دسمبر میں ہو جایا کریں گے اور جنوری سے نئی کلاسیں شروع ہو جایا کریں گی ۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ اس تبدیلی کا اثر مجھ پر اور میرے قارئین پر نہ پڑے ۔ پڑ کر رہے گا ۔ اس لیے کہ ادارہ اشتیاق پبلی کیشنز جس روز سے قائم ہوا ہے ، سال میں دو مرتبہ خاص نمبر ضرور شائع کرتا ہے ۔ اور یہ خاص نمبر تعلیمی سال کی مناسبت سے ۲۰ جون اور ۲۰ دسمبر کو آتے رہے ہیں ۔ لیکن دسمبر میں تو اب امتحانات ہوا کریں گے ۔ لہٰذا میں اور آپ اس تبدیلی کی زد سے کس طرح بچ سکتے ہیں ۔ خاص نمبروں کے مہینے لازمی تبدیل کرنا ہوں گے ۔ کیوں ٹھیک ہے نا ۔ اب رہا یہ سوال کہ نئی تاریخیں کون سی ہوں گی ۔ سوچ کریں اس

نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہر سال کا پہلا خاص نمبر ۲۰ اپریل کو اور دُوسرا خاص نمبر ۲۰ اکتوبر کو شائع کیا جایا کرے گا، اِن شاء اللہ — اب چُوں کہ اس سال کا پہلا خاص نمبر "سمندر کا دروازہ" ۲۰ جون کو آ چکا ہے — اور دُوسرا خاص نمبر ۲۰ دسمبر کو شائع ہونا تھا — لیکن پروگرام میں تبدیلی آ چکی ہے — اِس لیے دُوسرا خاص نمبر ۲۰ اکتوبر کو منظرِ عام پر آئے گا — آپ اس کے لیے ابھی سے تیاری کر لیں — اگرچہ زیادہ ضخیم نہیں ہو گا — لیکن "سمندر کا دروازہ" سے تو بڑا ہو گا ہی — البتہ ۲۰ اپریل کا خاص نمبر ضرور ضخامت میں زیادہ ہو گا اور ایک بار پھر آپ مجھے موٹائی کی طرف گامزن پائیں گے —

اب میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کو اس تبدیلی اور اس اعلان کو پڑھ کر خوشی ہوئی ہے یا رنج — آپ فکر مند اور پریشان تو نہیں ہو گئے — تاہم اُمید ضرور ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہو گی — آپ اس تبدیلی کو بخوشی قبول کر لیں گے؛ چناں چہ آپ اس ناول کے آخر میں آیندہ خاص نمبر کی جھلکیاں پڑھ لیجیے گا — اب اِدھر اُدھر کی باتوں کی بجائے کچھ باتیں مُلک کی بھی ہو جائیں — اِدھر اُدھر کی باتوں کا مطلب تو آپ سمجھتے ہی ہیں — کرداروں کی اِدھر اُدھر کی

باتیں پڑھ پڑھ کر آپ کے کان ضرور پک چکے ہوں گے — لیکن نہیں، کانوں کا پڑھنے سے کیا تعلق — ہاں — آپ کے دماغ اور آنکھیں ضرور تھک گئے ہوں گے — اب اگر میں نے بھی اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں تو آپ ضرور تھک جائیں گے — پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ ناول پڑھنے کی بھی سکت نہ رہ جائے — لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اِدھر اُدھر کی باتوں سے اپنا دامن صاف بچا لیں اور اِدھر اُدھر ہو جائیں — ایک منٹ — اِدھر اُدھر ہونے سے پہلے مُلک کی بات تو سُن لیں:

آج ہمارا مُلک اَن گنت خطرات میں گھر چکا ہے — یُوں کہہ لیں کہ جتنا آج گھر چکا ہے، پہلے کبھی نہیں گھرا تھا — سیاست دان اور برسرِ اقتدار لوگ اس وقت اپنی اپنی غرض کے لیے دن رات کام کرتے نظر آتے ہیں — بلکہ ان کی راتوں کی نیند اُڑ چکی ہے — دن کا چین لُٹا لُٹا نظر آتا ہے — لیکن مُلک کے لیے کچھ کرنے کا ان کے پاس کوئی وقت نہیں ہے — یہ وقت آپ کو نکالنا ہو گا — مجھے نکالنا ہو گا — ہم اپنے پیارے وطن کے لیے حد درجے فکر مند ہیں، دُکھی ہیں — لہٰذا کچھ نہ کچھ تو اس کے لیے کرنا ہو گا — سوال یہ ہے کہ کیا — ہم تو بالکل بے بس ہیں — ہمارے اختیار میں تو کچھ بھی

پھر سے پہلے جتنا کام شروع کیا تو میں پھر اسی حالت
پر آ جاؤں گی۔ اور تم چار کیا، ایک ناول کے
قابل بھی نہیں رہ جاؤ گے۔ ابھی تو شکر کرو۔ پھر
بھی خاصی تیز لکھ لیتے ہو۔۔۔

میرا خیال ہے۔ یہ معاملہ اب میرا اور آپ کا
نہیں، آپ کا اور میری اُنگلی کا ہو گیا ہے۔ لہٰذا آپ
جانیں۔ اُنگلی جانے۔ کیا خیال ہے آپ کا۔ دونوں
فریق جو فیصلہ کریں گے۔ میں تو اسے تسلیم کر لوں گا۔
اور درویش کی صدا کیا ہے۔۔۔

اشتیاق احمد

غلام کے گھر والے

رات کے ایک بجے انسپکٹر جمشید کے فون کی گھنٹی بجی۔ فوراً
ہی ان کی آنکھ کھل گئی۔ ریسیور کان سے لگاتے ہوئے بولے:
"انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"
"جمشید۔ تم چاروں فوراً میرے پاس پہنچ جاؤ۔۔۔ لیکن
میک اپ میں۔ کوئی تمہارا تعاقب نہ کرنے پائے۔ اگر تعاقب
کیا جائے تو پہلے تعاقب کرنے والے سے پیچھا چھڑانا ضروری
ہے۔ خیال رہے۔"
"بہت بہتر سر۔" انھوں نے کہا اور دوسری طرف ریسیور
رکھ دیا۔
"کس کا فون تھا۔" بیگم جمشید نے پوچھا۔ وہ بھی جاگ گئی
تھیں۔
"بتا نہیں سکتا۔ لہٰذا سو جائیں۔" وہ مسکرائے۔
اور انھوں نے بھی مسکرا کر آنکھیں بند کر لیں۔ انسپکٹر

جمشید کمرے سے نکلے اور ان کے کمرے کے دروازے پر آئے۔ اندر بلب روشن تھا۔ آواز آئی:

"ہم تیار ہیں۔"

"لیکن میک اپ کرنا ہو گا۔" وہ بولے۔

"وحت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا:

"شروع ہو گئے صبح صبح۔ اب تمام دن بے چاری ران کی شامت آئی رہے گی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ایک بجے صبح صبح نہیں ہوتی۔" محمود نے گویا اطلاع دی۔

"میک اپ روم میں آ جاؤ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور ایڑیوں پر گھوم گئے۔

دو گھنٹے بعد وہ صدر صاحب کے سامنے موجود تھے۔ انہوں نے کچھ کہے بغیر ایک بٹن دبایا۔ ایک اندرونی دروازہ کھلا اور ایک سیاہ فام آدمی نظر آیا:

"گاڑی بالکل تیار ہے سر۔"

"یہ بھی تیار ہیں۔" صدر صاحب مسکرائے اور سر سے اشارہ کیا۔

وہ اٹھے اور سیاہ فام کے پیچھے کمرے سے نکل گئے۔ عمارت کے اندر ہی ایک بند گاڑی کھڑی تھی، اس میں ایسے شیشے لگے تھے۔ جن سے باہر تو دیکھا جا سکتا تھا۔ لیکن باہر سے دیکھنے والے کو اندر کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ان کے پچھلے حصے میں بیٹھتے ہی گاڑی روانہ ہو گئی۔

"یا اللہ رحم۔ پُراسرار سفر شروع ہو گیا۔" فاروق بولا۔

"شاید۔ کوئی بہت بڑا رازدارانہ معاملہ ہے۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"غیر رازدارانہ معاملات ہمارے پلے پڑتے ہی کب ہیں۔"

ان کی نظریں بدستور پیچھے کی طرف سڑک پر لگی رہیں، لیکن دور دور تک کسی تعاقب کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ آخر ان کی گاڑی ایک چھوٹے جہاز تک پہنچ گئی۔ انھیں اترنے کے لیے کہا گیا۔ جونہی وہ جہاز میں سوار ہوئے۔ جہاز رینگنے لگا۔

"پتا نہیں، ہمیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔"

"جہاز کے پائلٹ کو بھی صرف اتنا معلوم ہو گا کہ ہمیں کس ملک کے ایرپورٹ پر پہنچانا ہے۔ اور بس۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"خیر۔ اس بے چارے سے تو ہم پوچھ بھی نہیں رہے۔"

جہاز کا سفر دو گھنٹے کا ثابت ہوا۔ ایرپورٹ سے بھی انھیں ایک بند گاڑی میں لے جایا گیا۔ میک اپ میں انھیں پہچاننے کی کوشش تو کی ہی نہیں گئی ہو گی۔ صرف جہاز کا نمبر بتلایا گیا ہو گا۔ کار کا سفر بھی ایک گھنٹے کا ہوا اور

پھر انھیں ایک آرام دہ کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں ضرورت کی
ہر چیز موجود تھی۔ یہاں تک کہ کھانے پینے کی چیزیں بھی۔
انھیں بھوک تو محسوس ہو ہی رہی تھی۔ پہلا کام انھوں
نے یہی کیا۔

"یہ اونٹ تو ابھی تک کسی کروٹ نہیں بیٹھا۔" محمود
بڑبڑایا۔

"اور بیٹھے گا بھی نہیں۔" فاروق تڑ سے بولا۔

"یہ بات تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟" فرزانہ
نے اسے گھورا۔

"میں نے یہ بات اتنے یقین سے ہرگز نہیں کہی۔ ہاں
اپنی زبان سے ضرور کہی ہے۔"

"معلوم ہوا کہ تم زبان کی مدد کے بغیر بھی بول سکتے
ہو۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں کیوں نہیں۔ میں اپنے قلم کے ذریعے بول سکتا
ہوں۔" فاروق مسکرایا۔

"بہت خوب۔" انسپکٹر جمشید نے اسے تعریفی نظروں سے
دیکھا۔

ابھی وہ کھانے پینے سے فارغ ہوئے تھے کہ کمرے کا
دروازہ کھلا اور ایک لمبے قد کا آدمی اندر داخل ہوا، اس کے

جسم پر شاہانہ لباس تھا۔ اس نے ان سے ہاتھ ملایا اور بیٹھتے
ہوئے بولا:

"آپ یہ تو جان چکے ہوں گے کہ اس وقت ملک شمیا
میں ہیں۔ میں اس ملک کا صدر ہوں۔ مجھے کمانڈر شویاک کہتے
ہیں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔ انداز میں حیرت بھی تھی۔

کمانڈر شویاک اور اس کے ملک کے بارے میں وہ پہلے
ہی عجیب و غریب خبریں سنتے رہے تھے۔ مثلاً یہ کہ کمانڈر
شویاک بہت دلیر ہیں۔ کسی سے نہیں ڈرتے، بڑی بڑی طاقتوں
کو دھمکی دے دیتے ہیں۔ کسی بڑی طاقت کا دباؤ قبول نہیں
کرتے۔ اور یہ کہ مسلمان آدمی ہیں۔ اپنے ملک میں مکمل طور
پر اسلامی نظام قائم کیے ہوئے ہیں۔ ان کے ملک میں کوئی
کام بھی غیر اسلامی نہیں ہوتا۔

انھوں نے سر سے پیر تک صدر شویاک کا جائزہ لیا۔ ان
کا رنگ ڈھنگ، چہرہ، وضع قطع ہر چیز اسلامی تھی۔ یہ دیکھ
کر انھیں انتہائی سی خوشی ہوئی۔

"ہم آپ کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔" انسپکٹر
جمشید بولے۔

"بہت خوب۔ پھر تو مجھے آسانی رہے گی۔ میرے ملک میں

مجھ پر ایک مقدمہ بن گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں عدالت میں
پیش ہوں۔ میں چاہتا ہوں۔ آپ لوگ اس معاملے کی تفتیش
کریں۔ ویسے اتنا بتا دوں۔ تمام ثبوت میرے خلاف ہیں۔
اور قاضی صاحب مجھے موت کی سزا سے کم سزا نہیں دیں گے۔
نہ میں فرار ہونے کی کوشش کر سکتا ہوں۔ قاضی کے خاص
سپاہی ہر وقت میری نگرانی کرتے ہیں۔ ویسے وہ نگرانی نہ بھی کر
رہے ہوتے، میں اس صورت میں بھی نہ بھاگتا۔ میں اپنے
وطن میں ہی مرنا پسند کرتا ہوں اور یہیں مروں گا۔ یہیں
دفن ہوں گا۔ قاضی صاحب اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں مجرم
نہیں ہوں۔ لیکن وہ بھی بالکل بے بس ہیں۔ کچھ نہیں کر
سکتے۔"

"کیا مطلب؟" محمود نے چونک کر کہا۔

"ثبوت میرے خلاف اس قدر مکمل ہے کہ کوئی عدالت مجھے بری
نہیں کر سکتی۔ اس کا صرف اور صرف ایک ہی طریقہ ہے۔
میرے بجائے جو اصل مجرم ہے۔ اس کے خلاف ثبوت حاصل
کر لیا جائے اور یہ بھی معلوم کر لیا جائے کہ اصل مجرم کون
ہے۔"

"ہم سمجھ گئے۔ کیا آپ قاضی کی عدالت میں پیش ہونے سے
انکار نہیں۔ آخر آپ اپنے ملک کے صدر ہیں۔"

"صدر کا لفظ ہم دوسرے ملکوں کے لیے استعمال کرتے
ہیں۔ ورنہ میں یہاں کا امیر ہوں۔ مجھے مسلمانوں نے اسلامی طریقے
سے چنا ہے۔ اسلامی طریقہ موجودہ دور کی جمہوریت کی بالکل نفی
کرتا ہے۔ اس جمہوریت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، یہ تو
یورپ کے لوگوں کا ایجاد کردہ طریقہ ہے۔ ہم اس طریقہ کے پاس
بھی نہیں گئے اور جس طریقے سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد ان کے صحابہ کرامؓ میں سے مسلمانوں کے امیر المومنین
چنے گئے۔ بالکل اسی طرح مجھے چنا گیا اور جب تک میری
زندگی ہے۔ میں ہی مسلمانوں کا امیر رہوں گا۔"

"ہم سمجھ گئے۔ اب آپ یہ بتائیے۔ آپ کے خلاف
مقدمہ کیا ہے؟"

"یہ کہ میں نے اپنے غلام کو قتل کیا ہے۔"

"اور آپ نے قتل نہیں کیا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ بات نہیں ہے۔ قتل میں نے ہی کیا ہے۔ لیکن میں
مجرم نہیں ہوں۔ جب کہ میرے خلاف جو ثبوت پیش کیے
گئے ہیں۔ وہ مجھے مجرم بناتے ہیں۔"

"یوں بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ آپ پوری تفصیل
سے بتائیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ تو پھر سنیے۔ مجھے نصرت امین نامی

غلام سرکاری طور پر خدمت کے لیے ملا ہوا تھا — وہ میرا اور
میرے گھر والوں کا کام کرنے پر مامور تھا — ہمارے ساتھ ہی
رہتا تھا — ایک روز میں نے اسے گھر سے جاتے دیکھا —
اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار تھے — اور بغل میں کوئی
چیز دبی ہوئی تھی — مجھے شک گزرا — اور میں نے اس کا
تعاقب شروع کر دیا — مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے
کسی کو ساتھ نہیں لیا تھا — اگر میں اپنے ساتھ کسی کو لے
لیتا تو اس وقت صورتِ حال مختلف ہوتی — خیر میں تعاقب
میں لگا رہا — درمیانی فاصلہ کافی تھا — یہ میں نے احتیاط کی
وجہ سے رکھا تھا — تاکہ وہ مڑ کر مجھے دیکھ نہ سکے — آخر
وہ ایک ویرانے میں پہنچ گیا — دور سے ہی میں نے دیکھا
کہ کوئی اس کی طرف بڑھا — اس نے بغل میں دبائی ہوئی
چیز اسے تھما دی — وہ فوراً مڑا اور پاس کھڑی کار میں
بیٹھنے لگا — میں پیدل تھا — دوڑ کر اسے نہیں پکڑ سکتا تھا —
چنانچہ میں نے بلا کی تیزی سے پستول نکالا — اسے للکارا کہ
وہ رک جائے اور کار میں سوار نہ ہو — لیکن اس نے میری
ایک نہ سنی اور کار میں بیٹھ گیا — اب میرے پاس اس کے
سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں اس کی کار کے ٹائروں پر
فائر کر دوں — چنانچہ میں نے فائر کر دیا — لیکن یہ فائر

کار کے ٹائر پر نہیں — غلام نصرت امین کے سینے میں لگا —
کیونکہ وہ بھی میری آواز سُن کر کار میں سوار ہونے کے لیے
اس کی طرف لپک چکا تھا — وہ ڈھیر ہو گیا اور کار نکل گئی،
میں دوڑ کر اس کے پاس پہنچا تو وہ دم توڑ چکا تھا —
کار روانہ ہونے تک وہاں کوئی اور شخص موجود نہیں تھا —
اگر میں چاہتا تو وہاں سے بھاگ آتا — اور کسی کو معلوم نہ
ہوتا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے — کیونکہ کون میرے پستول
کو چیک کرتا — لیکن میں بھاگا نہیں — بھلا مجھے بھاگنے کی کیا
ضرورت تھی — میں تو ان دونوں کو ہلاک نہیں کرنا چاہتا
تھا — ہاں گرفتار ضرور کرنا چاہتا تھا — پھر وہاں لوگ جمع
ہو گئے اور شہر میں خبر اڑ گئی کہ امیر نے اپنے غلام نصرت
امین کو قتل کر دیا ہے — قاضی نے فوراً اپنے سپاہی میری
طرف بھیجے اور میرا تحریری بیان طلب کیا — میں نے اپنا بیان
لکھ دیا — اس وقت تک میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا
کہ معاملہ میرے بالکل خلاف ہو جائے گا — یہ بات مجھے اگلے
روز معلوم ہوئی — جب قاضی صاحب کا ایک دستہ میرے
سامنے آیا — اور اس کے سردار نے قاضی صاحب کا حکم
پڑھ کر سنایا — حکم یہ تھا — اس قسم کی شہادتیں ملی ہیں کہ آپ
نے جان بوجھ کر اور ذاتی رنجش کی بنا پر اپنے غلام نصرت

ایمن کو قتل کیا ہے اور جو کہانی آپ نے سنائی ہے — وہ
سراسر غلط ہے — لہٰذا آپ خود کو قتل کا ملزم سمجھیے، اور اس
ماہ کی دس تاریخ کو عدالت میں پیش ہو جائیے — چونکہ آپ
ملک کے امیر ہیں اور ملکی معاملات چلا رہے ہیں — اس لیے
آپ کو گرفتار نہیں کیا جا رہا — لیکن آپ فرار ہونے کی
کوشش نہیں کریں گے — یہ حکم سن کر میں سناٹے میں آ
گیا — میں نے لکھ کر دے دیا کہ میں نے یہ حکم سن لیا ہے
اور اس کا پابند رہوں گا — اس کے بعد میں قاضی صاحب
کے پاس گیا اور انھیں ساری حقیقت سنائی — وہ بولے —
یہ باتیں تو میں پہلے ہی جانتا ہوں، اور یہ بھی جانتا ہوں کہ
آپ نے ذاتی رنجش کی بنا پر قتل نہیں کیا — لیکن مشکل یہ
ہے کہ تمام شہادتیں آپ کے خلاف ہیں — اور میں ان شہادتوں
کے خلاف فیصلہ نہیں دے سکتا — آپ مجرم ہیں یا نہیں ہیں
شہادتیں آپ کے بیان کو بالکل غلط قرار دے رہی ہیں — یہ
باتیں سن کر میں اور بھی پریشان ہو گیا اور پھر ایسے میں مجھے
آپ لوگوں کا خیال آیا — میں آپ لوگوں کے کارناموں کا حال
بہت شوق سے پڑھتا رہا ہوں —" یہ کہہ کر وہ خاموش
ہو گئے —

"یہاں آج کیا تاریخ ہے؟"

"سات — گویا تین دن باقی ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں — اگر یہ آپ کے خلاف سازش ہے — یا غلام
کوئی غلط کام کر رہا تھا اور آپ اسے قتل کرنا چاہتے بھی نہیں
تھے — بلکہ آپ صرف ٹائر پر فائر کرنا چاہتے تھے تو ہم آپ کو
سزا نہیں ہونے دیں گے ان شاء اللہ۔"

"بہت بہت شکریہ — اسی لیے تو آپ کو بلایا گیا ہے۔"

"آپ یہ بتائیں — عوام کا کیا خیال ہے۔"

"سب کی رائے میرے حق میں ہے — لیکن اصل معاملہ غلام کے
گھر والوں کا ہے — وہ کسی طرح نہیں مان رہے — ان کا کہنا
ہے — خون کا بدلہ خون سے لیا جائے گا — اور جب تک
وہ نہ مان جائیں — قاضی صاحب بھی میرے لیے کچھ نہیں
کر سکتے — کیونکہ ہمارے ملک میں مکمل طور پر اسلام نافذ ہے۔"
انھوں نے کہا۔

"شکریہ — آپ کے غلام نے بغل میں دبی چیز جس شخص
کے حوالے کی — آپ اس کا حلیہ بتا سکتے ہیں۔"

"کسی حد تک — کیوں کہ میں نے اسے کافی فاصلے سے
دیکھا تھا — وہ لمبے قد کا سرخ و سفید رنگ کا آدمی تھا —
بال سنہری رنگ کے تھے — بس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں
بتا سکتا —"

"ہوں!" انسپکٹر جمشید بولے اور فاروق کو اشارہ کیا، اس
نوٹ بک میں یہ باتیں لکھ لیں۔
"ہم غلام کے گھر والوں سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"
"میری ذاتی کار آپ کے استعمال میں رہے گی، میرا بیٹا
کے طور پر آپ کے ساتھ رہے گا۔ آپ جہاں جانا چاہیں
وہ آپ کو لے کر جائے گا۔ جس سے ملنا چاہیں گے،
گا۔ آپ کی ضروریات کا بھی ہر آن خیال رکھے گا۔"
"بہت بہت شکریہ۔ ہم اسی وقت کام شروع کر
ہیں، انھیں بلا لیں۔"
"کیا کہا۔ اسی وقت۔ تو کیا آپ آرام نہیں کریں گے"
"عدالت میں حاضر ہونے میں صرف تین دن باقی ہیں، ان حا
میں ہم آرام کیسے کر سکتے ہیں، انھیں بلائیے۔"
امیر شوباک نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ فوراً ہی ایک
نوعمر لڑکا اندر داخل ہوا:
"اپنے بھائی کو بھیج دو عبداللہ۔"
"بہت بہتر ابا جان۔" اس نے ادب سے کہا اور وا
مڑ گیا۔ جلد ہی ایک لمبے قد کا نوجوان اندر داخل ہوا۔ ا
کا رنگ سرخ و سفید تھا اور بال سنہری تھے۔ انھوں نے
حیرت زدہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ اور بولے:

"کیا یہ آپ کے بیٹے ہیں۔"
"ہاں!" وہ بولے۔
"آپ نے اس شخص کا جو حلیہ بتایا۔ وہ ذہن میں ہے۔"
وہ بولے۔
"ہاں! کیوں نہیں۔"
"تب پھر اپنے بیٹے کو اس حلیے کے آئینے میں دیکھیے۔"
امیر نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔ اور پھر قدرے
حیران ہو کر بولا:
"کمال ہے۔ یہ خیال مجھے کیوں نہیں آیا۔"
"آپ کا نام کیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
"میں عبدالکریم ہوں۔"
"آپ کا حلیہ اس شخص سے ملتا جلتا ہے۔ جس نے
آپ کے والد کے غلام سے ملاقات کی تھی اور پھر اس
سے کوئی چیز لے کر کار میں بیٹھ کر فرار ہو گیا تھا۔"
"اوہو اچھا۔ یہ میں نے نئی بات سنی ہے۔" اس کے
لہجے میں حیرت تھی۔
"تو کیا وہ آپ نہیں تھے۔" فاروق بولا۔
"کیا بات کرتے ہیں۔ اگر مجھے نفرت امین سے کوئی چیز
چوری چھپے لینا ہوتی تو میں گھر کے اندر بہت آسانی سے

لے سکتا تھا، اس کے لیے مجھے اس سے ایک ویرانے میں ملاقات
کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"جواب آپ کا معقول ہے۔ ایک سوال میں امیر سے
کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ ان کی طرف مڑے:
"کیا آپ کے بیٹے آپ کے خلاف کوئی سازش کر سکتے
ہیں۔"

"نہیں۔ میرا دل نہیں مانتا۔ میرے دونوں بیٹے بہت
فرماں بردار ہیں۔ اور ان کی والدہ نے ان کی تربیت بہت
اچھے طریقے سے کی ہے۔" انھوں نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ عبدالکریم صاحب۔ آپ ہمیں نصرت
امین کے گھر تک لے چلیے۔"

"بہت بہتر۔ آئیے۔"

وہ اس کے ساتھ باہر نکلے۔ کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ
ہوئے۔ ایسے میں عبدالکریم نے کہا:
"کیا آپ واقعی مجھ پر شک کر رہے ہیں یا وہ سوال ایسے
ہی پوچھ لیا تھا؟"

"ہم ایک کیس پر جب کام کرتے ہیں۔ تو ہر متعلقہ آدمی پر
شک کرتے ہیں۔" فاروق نے بتایا۔

"اچھا کمال ہے۔" عبدالکریم نے کہا۔

"آپ کا اور آپ کے بھائی کا نام تو اسلامی ہے۔ لیکن آپ
کے والد کا نام اسلامی نہیں ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

"دراصل ان کا نام شوباک نہیں ہے۔ یہ نام تو انھیں ان
کے دوست نے مذاق میں دیا تھا۔ لیکن جب سے دوست
فوت ہوا، انھوں نے اس کی یاد میں خود کو شوباک کہلوانا شروع
کر دیا۔ انھیں اپنے دوست سے بہت محبت تھی۔"

"ان کے دوست کا نام کیا تھا۔ وہ کیسے فوت ہوئے؟"

"الیاس حمید۔ دل کا دورہ پڑا تھا انھیں۔"

اچانک عبدالکریم نے پورے بریک لگائے۔ انھوں نے
چونک کر سامنے دیکھا۔

امیر کون ہوگا

ایک آدمی سڑک پار کر رہا تھا — وہ اچانک ہی سڑک کے کنارے سے درمیان کی طرف چل پڑا تھا — عبدالکریم نے تلملا کر اس کی طرف دیکھا، پھر چونک کر بولا:

"اوہو! یہ تو نصرت امین کا جڑواں بھائی ہے — انھی سے ملنے کے لیے تو ہم آئے ہیں — یہ اس کا جڑواں بھائی ہے، دونوں کی شکل حد درجے ملتی جلتی تھی۔"

"اچھا — کمال ہے۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"وہ — وہ گلی میں داخل ہو رہا ہے — کیا اس کا گھر اس گلی میں ہے۔" محمود بولا۔

"ہاں! ہمیں بھی یہیں آنا تھا۔" یہ کہ کر عبدالکریم نے کار موڑ دی۔

عبدالکریم نے نیچے اتر کر دستک دی — اسی آدمی نے دروازہ کھولا اور انھیں دیکھ کر الجھن میں مبتلا ہو گیا:

"آپ کیسے آئے؟" لہجہ ناخوش گوار تھا۔

"یہاں نہیں — ہم اندر بیٹھ کر بات کریں گے۔"

"خیر — آئیے۔" اس نے کہا اور انھیں ایک کمرے میں لے آیا۔ عبدالکریم نے ان سے تعارف کرایا، اور پھر ان کی طرف منہ کر کے بولا:

"اور یہ کاشف امین ہیں۔"

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی — ہمیں اس معاملے کی تفتیش کرنے کے لیے بلایا گیا ہے — امید ہے آپ محسوس نہیں کریں گے۔"

"بھلا اس میں محسوس کرنے کی کیا بات ہے جناب۔"

"آپ اپنے بھائی کی کوئی تصویر دکھا سکتے ہیں۔"

"جی ہاں! کیوں نہیں۔"

"بہتر ہو گا — کوئی ایسی تصویر لے آئیں — جس میں آپ دونوں ہوں۔"

"اچھی بات ہے —" یہ کہ کر وہ چلا گیا — واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک تصویر تھی — اس میں ایک ہی شکل کے دو نوجوان تھے:

"اس پر نشانی لگا دیں — آپ کون سے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

عبدالکریم حیرت زدہ انداز میں اس کارروائی کو دیکھ رہا تھا،

کاشف نے نشان لگا دیا۔ انسپکٹر جمشید چند لمحے تک حیرت زدہ انداز میں دونوں تصاویر کو اور کاشف امین کو دیکھتے رہے، آخر انھوں نے کہا:

"نہیں جناب۔ مرنے والا نصرت امین نہیں۔ کاشف امین تھا۔ نصرت امین ہمارے سامنے زندہ سلامت موجود ہے۔ میں غلط تو نہیں کہ رہا نصرت صاحب۔"

اس کا رنگ اڑ گیا۔ عبدالکریم تو دھک سے رہ گیا۔

"ہماری حیرت بڑھتی جا رہی ہے نصرت۔ آخر یہ سب کیا چکر ہے۔" عبدالکریم نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"ہاں! میں نصرت امین ہوں، مرنے والا میرا بھائی تھا۔ میرا جڑواں بھائی۔ امیر نے دراصل میرا نہیں۔ میرے بھائی کا تعاقب کیا تھا۔"

"لیکن اسے تو انھوں نے ہمارے گھر سے ہی نکلتے دیکھا تھا۔" عبدالکریم کے لہجے میں حیرت اور زیادہ ہو گئی۔

"وہ مجھ سے ملنے آیا تھا۔ مل کر رخصت ہوا تو اپنی ایک امانت بھی واپس لے گیا، وہ امانت اس نے میرے پاس ایک ماہ پہلے رکھوائی تھی۔ جب وہ اٹھا اور رخصت ہونے لگا تو اس طرح مڑا جیسے بھولی ہوئی بات یاد آ گئی ہو۔ کہنے لگا، میری جو امانت آپ کے پاس موجود ہے۔ وہ دے دیں۔ اب مجھے

اس کی ضرورت ہے۔ چنانچہ میں نے امانت واپس کر دی۔ لیکن نکلتے ہوئے امیر نے اسے دیکھ لیا اور تعاقب شروع کر دیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔"

"یہ تو سب ٹھیک ہے۔ لیکن وہ امانت آخر کیا چیز تھی۔ وہ وہاں سے چوروں کی طرح کیوں رخصت ہو رہا تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ شخص کون تھا، جس نے اس سے ملاقات کی۔ پھر امیر کے للکارنے پر دونوں نے فرار ہونے کی کوشش کیوں کی۔ ان باتوں کی کیا وضاحت کریں گے آپ۔" محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں نہیں جانتا۔ اس پوٹلی میں کیا چیز تھی۔ ہم لوگ امانت کو کھول کر نہیں دیکھتے۔ اس کو جوں کا توں رکھ دیتے ہیں اور جب امانت واپس مانگی جائے، تو اسی طرح اٹھا کر دے دیتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے۔ آپ کو تو پھر یہ بھی معلوم نہیں ہو گا کہ کار والا کون تھا۔" فرزانہ بولی۔

"بالکل نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ ایک بات تو آپ بتا ہی سکیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی وہ کیا۔" اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"آپ نے یہ بات کیوں چھپائے رکھی کہ آپ نہیں مارے گئے۔
بلکہ آپ کے بھائی مارے گئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نرم آواز میں بولے۔
اس کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ چند سیکنڈ تک
خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا:
"م۔ میں۔ میں خوف میں مبتلا ہو گیا ہوں۔"
"اس میں خوف زدہ ہونے والی کون سی بات ہے۔"
"خوف میں مبتلا ہونے والی بات ہے۔" اس نے جلدی کہا۔
"وضاحت کریں نا۔" انھوں نے کہا۔
"امیر جب میرے بھائی کے تعاقب میں نکل گئے تو میری چھٹی
کا وقت بھی ہو گیا، مجھے اس تعاقب کے بارے میں کچھ علم نہیں
تھا۔ میں گھر پہنچا۔ اور وہیں یہ خبر سنی کہ نصرت امین امیر کے
ہاتھ سے مارا گیا ہے۔ ہم دھک سے رہ گئے۔ ہم نے چاہا۔
اسی وقت سامنے جا کر ساری بات بتا دیں کہ مرنے والا نصرت
امین نہیں۔ کاشف امین ہے۔ لیکن اسی وقت چار آدمی ہمارے
گھر میں داخل ہوئے، انھوں نے اندر داخل ہونے سے پہلے
اجازت بھی نہیں لی۔ ان کے چہروں پر نقاب تھے۔ اور
ہاتھوں میں خنجر۔ ہم ڈر گئے۔ ان میں سے ایک نے غراتی
ہوئی آواز میں کہا کہ جو کچھ ہو چکا ہے، اُسے اسی طرح رہنے
دو۔ نصرت امین کی موت ہی مشہور ہونے دو۔ تم کاشف امین

بنے رہو۔ اسی میں تمھاری بھلائی ہے۔ اگر تم نے اس راز کو
ظاہر کرنے کی کوشش کی تو سارے گھر کو آگ لگا دی جائے گی،
ایک فرد کو بھی زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ میں کیا کرتا۔ چپ ہو
رہا۔"
"ہوں! لیکن ہم نے تو سُنا ہے کہ امیر کے خلاف نصرت امین
کے گھر والے ڈٹ گئے ہیں۔ اور خون کا بدلہ خون کا مطالبہ کر
رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔
"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ ایسا بھی ہم اُنھی کے کہنے پر
کر رہے ہیں۔ آپ کو نہیں معلوم۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔
"کیا نہیں معلوم؟"
"یہ کہ وہ کس قدر خوف ناک لوگ ہیں، ہم پر ہر وقت ان
کا خوف سوار رہتا ہے۔"
"ہوں! ہم سمجھ گئے۔ آپ لوگوں نے قاضی صاحب کے
سامنے پیش ہو کر کیا بیانات دیئے ہیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔
"جو بیانات انھوں نے ہمیں سکھائے۔ وہی دیئے تھے۔ یہ
کہ میرا بھائی ہر روز آکر امیر کے خلاف باتیں کیا کرتا تھا۔ امیر
اس سے اچھا سلوک نہیں کرتا تھا۔ کئی ناجائز کام لیتا تھا۔
کچھ غلط لوگوں سے امیر کے بہت گہرے تعلقات تھے۔ وہ لوگ
امیر سے ناجائز کام کراتے رہتے تھے۔ نصرت امین نے امیر کو

ان باتوں پر کئی بار ٹوکا بھی — لیکن انھوں نے ایک نہ سنی اور آخر نصرت امین نے انھیں دھمکی دی کہ وہ تمام حالات قاضی کو جاکر بتا دے گا — ورنہ باز آ جائیں — اس دھمکی کے فوراً بعد یہ واقعہ پیش آ گیا۔"

"اس کا مطلب ہے — وہ نامعلوم لوگ ہر حال میں انھیں پھانسی دلوانا چاہتے ہیں۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"خیر! اب ایسا نہیں ہو سکتا — نصرت امین آپ اسی وقت ہمارے ساتھ قاضی صاحب کے پاس چلیں اور یہ بیان دے دیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں جناب — آپ نہیں جانتے — ہم کس حد تک مجبور ہیں — ہم نہیں جا سکتے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے — اس طرح تو ایک بے گناہ انسان آپ لوگوں کی بزدلی کی وجہ سے پھانسی پر چڑھ جائے گا۔"

"ہم — کچھ بھی تو نہیں کر سکتے۔" کاشف نے کانپ کر کہا۔

"سب کچھ کر سکتے ہیں اور کریں گے — ہمارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔"

"آپ — آپ نہیں جانتے۔" وہ ڈرے ڈرے لہجے میں بولا۔

"کیا نہیں جانتے — یہ بھی تو بتائیں نا۔" فاروق جھلا اٹھا۔

"بس — یہ سن لیں — ہم یہ بیان عدالت میں نہیں دیں گے۔

آپ جا سکتے ہیں۔"

"شکریہ — ہم آپ کو ساتھ لے کر جائیں گے۔"

عین اسی وقت دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی — وہ زور سے چونکے:

"کیا خیال ہے — یہ کون ہو سکتا ہے؟"

"آج اس وقت قاضی صاحب کے نائب کو آنا تھا — گھر کی عورتوں کے بیانات لینے کے لیے۔" کاشف نے خوش ہو کر کہا اور دروازے کی طرف لپکا — وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے — آخر وہ ایک لمبے چوڑے قد کے آدمی کے ساتھ واپس آیا — اس کے چہرے پر حد درجے رعب تھا:

"یہ کون — ارے ان میں تو امیر کے بیٹے عبدالکریم بھی ہیں۔"

"جی ہاں — سلمان فاروقی صاحب — تشریف لائیے۔" کاشف نے باادب ہو کر کہا۔

"آپ کے ساتھ یہ کون لوگ ہیں؟"

"امیر کے مہمان ہیں — امیر کی دعوت پر یہاں آئے ہیں — اپنے ملک کے مشہور سراغرساں ہیں — یہ لوگ بہت جلد اصل مجرم کو بے نقاب کر دیں گے۔" عبدالکریم نے پرجوش انداز میں کہا۔

"اصل مجرم — کیا مطلب؟" سلمان فاروقی نے چونک کر کہا۔

"یہ ایک سازش ہے — امیر کے خلاف تیار کی گئی ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہم جانتے ہیں، امیر کا کہنا یہی ہے۔ لیکن ان کا بیان مقتول کے وارثوں کے مقابلے میں درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا جب کہ تمام شہادتیں بھی ان کے خلاف ہوں۔"

"ہم یہ باتیں عدالت میں کریں گے۔ یہاں کوئی بات نہیں کر سکتے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"کون سی باتیں؟" سلمان فاروقی نے انھیں گھورا۔

"یہ باتیں۔ کہ شہادتیں دراصل کیا ہیں۔"

"خیر خیر۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ آپ کی تفتیش کیا کہتی ہے۔ عدالت میں تو ثبوت پیش کرنا ہوتا ہے۔"

"اور ہم ثبوت پیش کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" یہ کہ کر سلمان فاروقی نصرت امین کی طرف مڑا۔

"کاشف امین صاحب آپ کو آج شام قاضی صاحب کے پاس جانا ہے۔ انھیں آپ سے چند ضروری سوال پوچھنا ہیں۔ میں یہی کہنے کے لیے آیا تھا۔ آپ اس کاغذ پر دستخط کر دیں، تاکہ آپ یہ نہ کہ سکیں کہ آپ کو پیغام نہیں ملا تھا۔"

"جی بہت بہتر!" اس نے کہا اور دستخط کر دیے۔

سلمان فاروقی تو دستخط کرا کے چلا گیا۔ انسپکٹر جمشید اس

وقت کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ کہنے لگے:

"نصرت امین صاحب۔ بہتر یہی ہے کہ آپ عدالت میں بالکل سچ بات کہیں۔ کسی کی دھمکی میں نہ آئیں۔ اب دیکھیے نا۔ ہم عدالت میں آپ کا بیان سنائیں گے اور عدالت کو بتائیں گے کہ آپ دراصل کاشف امین نہیں، نصرت امین ہیں۔"

"عدالت میں آپ اس بات کو ثابت نہیں کر سکیں گے۔"

"اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ آپ خود ایسا بیان دینا چاہتے ہیں۔ کوئی آپ سے زبردستی ایسا بیان نہیں دلوانا چاہتا۔" محمود نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"چلیے جو آپ کا جی چاہے سمجھ لیں۔" اس نے کندھے اُچکائے۔

فرزانہ کو ایسے میں ایک عجیب سا احساس ہوا۔ ساتھ ہی اس نے بے چینی بھی محسوس کی۔

"آیئے۔ ابا جان۔ اب چلیں۔" اس نے کہا۔

انسپکٹر جمشید، محمود اور فاروق نے قدرے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا اور پھر انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا:

"ہاں ٹھیک تو ہے۔ ہم نے اب کافی باتیں کر لیں۔"

وہ اٹھے اور نصرت امین سے ہاتھ ملا کر باہر نکل آئے۔

نصرت امین دروازے تک آیا تھا، پھر ہاتھ ملا کر اندر چلا

گیا۔

"کیا بات تھی فرزانہ۔" انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے۔

"میں نے نصرت امین کی آنکھوں میں خوف کے سائے دیکھے ہیں۔ کوئی بات ضرور ہے۔ جو وہ چھپا رہا ہے۔"

"امیر نے بتایا تھا کہ قاضی صاحب انھیں بے گناہ تو سمجھتے ہیں، لیکن شہادتوں کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں دے سکتے۔ میرا خیال ہے، ہمیں فوری طور پر قاضی صاحب سے مل لینا چاہیے۔ نصرت امین کے خوف زدہ ہونے کی وجہ پر ہم بعد میں غور کریں گے۔"

"لیکن ابا جان۔ اسی وقت کیوں نہ چیک کر لیا جائے۔"

انسپکٹر جمشید نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر فاروق کو اشارہ کیا۔ فاروق گاڑی کے پاس سے ہٹ کر مکان کی طرف چلا گیا۔ ایک منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی:

"یہ کام رات کو ہی ہو سکتا ہے۔ اس وقت مجھے دیکھ لیا جائے گا۔"

"تو پھر چلو۔ پہلے قاضی صاحب۔" وہ بولے۔

عبدالکریم نے انھیں قاضی صاحب کی عدالت تک پہنچا دیا:

"عدالت کا وقت ختم ہونے کے قریب ہے۔ ہمیں چند منٹ تک انتظار کرنا ہوگا۔ عدالت کا وقت وہ کسی کو نہیں دیتے۔"

"کوئی بات نہیں۔ لیکن ہم عدالت کے کمرے میں داخل ہو

کر بیٹھ تو سکتے ہیں۔"

"ہاں! اس کی عام اجازت ہے۔ آئیے۔"

وہ عدالت میں داخل ہو گئے اور کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ انھوں نے دیکھا۔ قاضی صاحب ایک نوجوان اور بہت بارعب انسان تھے۔ ان کی آنکھوں میں بہت تیز چمک تھی۔ وہ مقدمے کی سماعت بہت غور سے کر رہے تھے۔ اور پھر عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔ اس وقت عبدالکریم آگے بڑھا۔ اسے دیکھ کر قاضی صاحب چونکے۔

"امیر کے چند مہمان آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"ضرور۔ میں حاضر ہوں۔ اندر تشریف لے چلیے۔"

ان کا کمرہ بالکل سادہ تھا۔ عیش و آرام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

"ہم لوگوں کو امیر نے موجودہ کیس کے سلسلے میں بلایا ہے۔ تاکہ ہم اصل مجرم کا پتا چلا سکیں۔"

"اوہ سمجھا۔ لیکن اس معاملے میں اصل اور نقل کا کوئی سوال نہیں۔ ایک شخص قتل ہوا ہے۔ اس کی لاش ملی ہے۔ امیر قتل کرنے کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ فرق ہے تو صرف وجہ میں ہے۔ امیر قتل کی وجہ کچھ اور بتاتے ہیں، مقتول کے وارث کچھ اور بتاتے ہیں۔ ہمیں تو بس یہ معلوم کرنا ہے کہ وجہ

کس کی درست ہے ۔ اگر امیر نے اپنی کسی ذاتی رنجش کی بنا
پر یہ قتل کیا ہے تو پھر وہ مجرم ہوں گے اور اگر مقتول کے
وارث انھیں معاف نہیں کریں گے ۔ وہ سزا کے حق دار ہوں
گے ۔ لیکن اگر امیر کی بتائی ہوئی وجہ درست نکلی تو انھیں
سزا نہیں دی جا سکتی ۔ اب اس سلسلے میں آپ کیا کریں
گے ۔ یہ آپ دیکھ لیں۔"

"فرض کر لیجیے ۔ مقتول کے وارث کسی وجہ سے مجبور ہیں
اور کسی دباؤ میں آ کر امیر کے خلاف بیان دے رہے ہیں
اور ہم اس دباؤ کو ثابت کر دیں ۔ تو کیا اس صورت میں بھی
امیر ہی مجرم ہوں گے۔"

"ہمیں امیر کو مجرم بنانے کا شوق نہیں ۔ امیر کی ہم سب
کو ضرورت ہے ۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ مجرم
ہوں تو پھر بھی ہمیں انھیں بچانا ہے۔"

"ٹھیک ہے ۔ ہم آپ کا نظریہ جاننے کے لیے ہی آئے
تھے اور وہ ہم جان چکے ہیں ۔ اللہ نے چاہا تو ہم عدالت
میں یہ بات ثابت کر دیں گے کہ امیر مجرم نہیں ہیں۔"

"ایسا ثبوت پا کر مجھے ہی نہیں ۔ پورے ملک کو خوشی
ہو گی ۔ اس وقت تو پورا ملک پریشان ہے۔"

"شکریہ! اب ہمیں اجازت دیجیے ۔" انسپکٹر جمشید نے اٹھتے

ہوئے کہا۔

"اچھی بات ہے ۔ میں دعا کرتا ہوں ۔ امیر بے گناہ ثابت ہوں،
میں تو خود اپنے آپ کو شدید اذیت میں محسوس کر رہا ہوں، پورے
ملک کی نظریں مجھ پر جمی ہوئی ہیں ۔ کہ میں کیا فیصلہ دیتا ہوں،
اب ظاہر ہے، ہمارے ملک میں امیر کو پسند کرنے والے بھی
ہیں اور ناپسند کرنے والے بھی ۔ جو پسند کرتے ہیں، وہ چاہیں
گے، امیر صاحب بے گناہ ثابت ہو جائیں ۔ جو پسند نہیں کرتے،
وہ چاہتے ہیں، مجرم ثابت ہو جائیں ۔ ان حالات میں میں مشکل
میں ہوں یا نہیں۔"

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں ۔ ایک سوال رہ گیا اور وہ یہ
کہ اگر خدانخواستہ امیر کو سزا ہو جاتی ہے تو ان کی جگہ امیر کون
بنے گا۔"

"جب تک شوریٰ کا کوئی فیصلہ نہیں ہو جاتا ۔ میں امیر کی
حیثیت سے کام کروں گا۔"

"اوہ!" وہ زور سے چونکے ۔

خیال غلط نکلا

"کیوں! اس میں چونکنے کی کیا بات ہے۔" قاضی صاحب نے منہ بنایا۔

"جی کچھ نہیں — صرف اتنا عرض ہے کہ اگر آپ نے امیر کو سزا دینے کی خود کوئی کوشش کی — مطلب یہ کہ اگر شہادتیں ان کے خلاف نہ ہوئیں اور پھر بھی انھیں سزا سنائی تو جو لوگ امیر کے حق میں ہیں — وہ یہی خیال کریں گے کہ قاضی نے امیر بننے کے لیے امیر کو مجرم ٹھہرا دیا۔"

"آپ نے بہت بھیانک خیال کا اظہار کیا ہے — لیکن ہمارے ملک میں یہ بات کوئی بھی نہیں سوچ سکتا، اس لیے کہ — یہاں کا قانون وہ نہیں — جو آپ لوگوں کے ملکوں کا ہے — پہلی بات تو یہ کہ میں صرف چند دن کے لیے امیر بنوں گا، امیر بننے سے پہلے مجھے اپنی جائداد اور نقد رقم وغیرہ کا اعلان کرنا ہو گا — حکومت کے کارندے باقاعدہ اسے چیک کریں گے اور

چند دن بعد جب نئے امیر بن جائیں گے تو ایک بار پھر سب کچھ چیک کیا جائے گا اور میں پھر قاضی کا عہدہ سنبھال لوں گا — پھر نئے امیر چاہیں گے تو میں قاضی رہوں گا، ورنہ میری جگہ نئے قاضی مقرر ہو جائیں گے — اب ان چند دنوں کی حکومت کے لیے — جس میں مجھے آتے ہوئے بھی حساب دینا ہو گا، اور جاتے ہوئے بھی — کسی انسان کو پھانسی پر لٹکا دینا بالکل بے تکی سی بات ہے — آپ بے شک ایسا سوچتے رہیں۔"

"ہوں! آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں — اچھا جناب — محسوس نہ کیجیے گا — یہ ہماری خاص عادت ہے — یا اسے آپ ہمارا خاص طریقہ کہہ لیں، ہم کیس سے متعلق ہر آدمی کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔"

"آپ مجھے شوق سے شک کی نظر سے دیکھیں — مجھے کوئی پروا نہیں۔"

وہ وہاں سے نکل آئے — اب انسپکٹر جمشید نے عبدالکریم سے کہا:

"لاش کا پوسٹ مارٹم کرایا گیا تھا۔"

"جی نہیں — ابا جان نے جب یہ اقرار کر لیا کہ گولی انھوں نے ہی چلائی ہے — تو پھر پوسٹ مارٹم کی ضرورت نہیں سمجھی

ہ" اس نے بتایا۔
"لیکن اب نعش کو نکال کر فوری طور پر پوسٹ مارٹم کرایا
جائے گا۔ مجھے اس پستول کی بھی ضرورت ہے۔ جس سے
گولی چلائی گئی ہے۔"
"وہ پستول تو اس وقت تفتیشی ٹیم کے پاس ہے۔"
"وہ ان کے پاس ہی رہے گا۔ میں تو بس اس سے ایک
گولی چلا کر دیکھوں گا۔"
"اچھی بات ہے۔ اس کا بھی انتظام کر دیا جائے گا۔ آپ
فکر نہ کریں۔"
دو گھنٹے بعد نعش نکلوائی گئی۔ اس کا پوسٹ مارٹم کرایا گیا۔
اس وقت تک انسپکٹر جمشید پستول سے گولی چلا کر دیکھ چکے تھے،
اور چلائی ہوئی گولی اب ان کے پاس تھی۔ ادھر ڈاکٹروں نے
نعش میں سے وہ گولی بھی نکال لی۔ انسپکٹر جمشید نے ایک
مقامی ماہر کے ذریعے دونوں گولیوں کا معائنہ کرایا۔ اس کے بعد
وہ امیر کے پاس پہنچے۔
"آپ بہت جلد میرے پاس واپس آ گئے۔ خیر تو ہے۔"
"ہم اپنا پچاس فیصد کام کر چکے ہیں۔ پچاس فیصد باقی
ہے۔ جو رات میں کریں گے۔ اس سلسلے تک آپ کی اجازت
کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ ملک ہمارا نہیں
ہے۔"

"کس قسم کی اجازت؟" امیر نے چونک کر پوچھا۔
"ہم ایک گھر میں غیر قانونی طور پر داخل ہونا چاہتے ہیں۔"
"غیر قانونی طور پر۔ لیکن آپ وہاں قانونی طور پر کیوں
داخل نہیں ہو جاتے۔ میں وارنٹ بنوا دیتا ہوں۔" وہ بولے۔
"اس کا فائدہ کوئی نہیں ہو گا۔"
"خیر۔ اگر آپ کا ارادہ وہاں کسی چوری یا ظلم کا ہے تو
ایسا کر لیں۔ لیکن یہ جان لیں، اگر قاضی صاحب کو پتا چل گیا
تو یہ بات ہمارے خلاف جائے گی۔"
"اچھی بات ہے۔ ہم یہ احتیاط کریں گے کہ انھیں پتا نہ
چل سکے۔ ہم چوری یا ظلم بھی نہیں کریں گے۔"
"ٹھیک ہے۔ اجازت ہے۔" وہ مسکرائے۔

○

رات تاریک تھی اور سرد بھی۔ اس ملک میں سردی یوں بھی
بہت پڑتی تھی۔ وہ چاروں میک اپ کرنے کے بعد چہروں کو
نقابوں میں چھپائے بغیر نمبر کی کار میں روانہ ہوئے اور نصرت امین
کے گھر سے کچھ فاصلے پر اترے۔ اس وقت انھوں نے عبدالکریم
کو ساتھ نہیں لیا تھا۔

جلد ہی فاروق پائپ کے ذریعے اوپر چڑھ رہا تھا — اور پھر اس نے مکان کا پچھلا دروازہ کھول دیا، وہ اندر داخل ہو گئے — دبے پاؤں ایک ایک کمرے میں سُن گن لیتے آگے بڑھتے رہے — ایک کمرے میں انھیں نہ صرف روشنی نظر آئی — بلکہ باتیں کرنے کی آواز بھی سنائی دی — کوئی کہہ رہا تھا:

"اپنا اپنا خیال ہے — ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔"

"لیکن وہ جو غیر ملکی جاسوس یہاں آ گئے ہیں — ان کی وجہ سے میں الجھن محسوس کر رہا ہوں۔"

"ہونہہ غیر ملکی جاسوس — دیکھ لیں گے انھیں بھی۔" کسی اور نے کہا۔

وہ اس قسم کی باتیں کرتے رہے — اچانک انسپکٹر جمشید نے دستک دے ڈالی — اندر یک دم خاموشی چھا گئی — یوں لگا جیسے ان پر سکوت طاری ہو گیا ہو —

"کک — کون؟"

"نصرت امین۔" باہر سے انسپکٹر جمشید نے نصرت امین کی آواز میں کہا۔

"یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے — ہم نے تو تم لوگوں کو معمول کے مطابق باندھ کر ایک کمرے میں بند کر رکھا ہے — تم آزاد کیسے ہو گئے۔" اندر سے کہا گیا۔

"رسیاں ڈھیلی رہ گئی تھیں۔" وہ بولے۔

"اس صورت میں تو تمھیں فوراً پولیس کے پاس جانا چاہیے تھا۔"

"اوہ ہاں! واقعی — یہ تو مجھ سے غلطی ہو چلی تھی — میں ابھی وقت —" انھوں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور قدموں سے دوڑنے کی آواز پیدا کی — دروازہ فوراً کھلا اور دو آدمی دوڑ کر باہر نکلے — ساتھ ہی فاروق اور محمود کی ٹانگیں چل گئیں — وہ منہ کے بل زمین پر گرے —

"اسے سرکاری ٹانگ کہتے ہیں۔" فاروق چہکا۔

انسپکٹر جمشید اندر داخل ہو گئے اور اندر موجود دو آدمیوں کی چٹنی بنا کر رکھ دی — چند منٹ بعد وہ چاروں رسیوں سے بندھے ہوئے تھے —

"جاؤ بھئی — گھر کے افراد کو کھول ڈالو — یہ لوگ بھی کیا یاد کریں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

تینوں گئے — اور جب واپس لوٹے تو نصرت امین ان کے ساتھ تھا — بچوں اور عورتوں کو وہ اسی کمرے میں چھوڑ آئے تھے:

"آپ — آپ لوگ وہی تو نہیں ہیں۔"

"وہی ہیں یا کوئی بھی ہیں — آپ کو اس سے غرض نہیں — آپ کے دشمن رسیوں سے بندھے پڑے ہیں — پولیس کو فون کریں اور انھیں ان کے حوالے کر دیں — ہم جا رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید

نے کہا۔

"نن۔ نہیں۔ ابھی آپ نہ جائیں۔ اگر ان میں سے کسی نے رسی کھول لی تو مصیبت آ جائے گی۔"

"رسی تو خیر ان سے نہیں کھلے گی۔ ویسے ہم ٹھہر جاتے ہیں۔ آپ فون کر آئیں۔ لیکن ہمارا ذکر نہ کریں۔ ہم سامنے نہیں آئیں گے۔"

نصرت امین نے باہر جاکر فون کیا۔ تھوڑی دیر بعد پولیس وہاں پہنچ گئی۔ انسپکٹر جمشید وغیرہ پچھلے دروازے سے باہر نکل گئے۔ نصرت امین نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور پھر پولیس کے لیے دروازہ کھول دیا۔

"کیا بات ہے کاشف امین۔" پولیس انسپکٹر نے پوچھا۔

"آئیے میرے ساتھ۔ ساری بات بتاتا ہوں۔"

وہ انھیں قیدیوں کے پاس لے آیا۔

"یہ۔ یہ کیا ہے۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ایک ہفتے سے ہم ان کے قیدی تھے۔ آج اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے یہ ہمارے قیدی ہیں۔ اس وقت تک ہم نے جتنے بیانات بھی دیے ہیں۔ ان کے خوف سے دیے ہیں۔ کیوں کہ ہر وقت ہماری عورتیں اور بچے پستولوں کی زد میں رکھے گئے۔ میں گھر سے باہر بھی جاتا تھا تو بھی ان کا خوف اس قدر رہتا تھا کہ

کسی کو سچی بات نہ بتا سکا۔ لیکن بھلا ہو چند نامعلوم لوگوں کا۔ وہ آج رات ہمارے نجات دہندہ بن کر آئے اور ان لوگوں سے ٹکرا گئے۔"

"چند نجات دہندہ۔ وہ۔ وہ کون ہیں۔ کہاں ہیں۔"

"ہماری مشکل آسان کر کے وہ یہاں رُکے نہیں۔ چلے گئے۔"

"اوہ۔ اور وہ اندر کس طرح داخل ہوئے تھے۔ انھیں کس طرح معلوم ہو گیا کہ تم لوگ اس مصیبت میں گرفتار ہو۔"

"یہ ہم نہیں جانتے۔ ہم نے تو انھیں روکنے کی بہت کوشش کی تھی۔ لیکن وہ رُکے نہیں۔"

"عجیب بات ہے۔ خیر۔ ہم ان لوگوں کو تو پہنچاتے ہیں مہمان خانے میں۔"

پولیس انھیں لے کر نکل گئی۔ اس کے کچھ دیر بعد انسپکٹر جمشید نے پھر اس کے دروازے پر دستک دی۔ نصرت امین نے دروازہ کھول دیا۔

"اوہو! آپ لوگ ابھی گئے نہیں۔"

"نہیں! پولیس کے جانے کا انتظار کر رہے تھے۔ اب آپ بتائیے اصل واقعہ کیا ہے۔"

"انھوں نے میرے بھائی کو ورغلایا تھا۔ میرا بھائی بھی ان کے منصوبے سے بے خبر تھا۔ انھوں نے نہ جانے اسے کیا

پٹی پڑھائی۔ یا کیا لالچ دیا کہ وہ ان کی ہدایات پر عمل کرنے
پر مجبور ہو گیا، اس روز اس نے مجھے میرے کمرے میں کسی
دوا کے ذریعے بے ہوش کر دیا۔ اور میری جگہ خود امیر کے
گھر چلا گیا۔ وہاں سے پروگرام کے مطابق کچھ کاغذات چرا کر
نکلا۔ امیر نے اسے دیکھ لیا۔ اور اس طرح وہ دردناک حادثہ
پیش آگیا۔ جو نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"ہوں! اب ہم سب سمجھ گئے۔ آپ کو امیر سے کوئی شکایت
تو نہیں؟"

"جی بالکل نہیں۔ امیر تو بہت ہی اچھے آدمی ہیں۔"

"تب پھر ہم صبح ہی عدالت میں پیش ہو جائیں گے۔
تاکہ ان لوگوں کو کوئی اور سازش تیار کرلے کی مہلت نہ مل
سکے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے کہا۔

چاروں اسی وقت امیر کے پاس پہنچے۔ امیر سو رہے
تھے۔ انھیں جگایا گیا:

"معافی چاہتے ہیں۔ آپ کو بے وقت تکلیف دی۔"

"کوئی بات نہیں۔ آپ تو میرے مہمان ہیں اور پھر میرے
لیے اپنی رات برباد کیے پھر رہے ہیں۔" امیر بولے۔

"سارا کیس حل ہو چکا ہے۔ اور ہم کل واپس جا رہے

ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے انھیں تفصیل سنا دی۔ امیر کی حیرت کا کیا
ٹھکانا۔

"مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا۔" وہ بولے۔

"صبح جب نصرت امین خود عدالت میں حاضر ہو کر بیان دے
گا تو آپ کو یقین بھی آ جائے گا۔"

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" امیر بولے۔

دوسرے دن قاضی صاحب سے خصوصی اجازت لی گئی اور
معاملہ ان کے سامنے پیش ہوا۔ امیر ملزموں کے کٹہرے میں
کھڑے ہوئے۔ اور پھر نصرت امین نے پیش ہو کر ساری
کہانی سنائی۔ قاضی پر بھی حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ منہ کھلا
کا کھلا رہ گیا۔ آخر میں نصرت امین بولے:

"افسوس یہ ہے کہ میں اپنے ان محسنوں کا نام نہیں بتا
سکتا۔ جو رات کو نجات دہندہ بن کر آئے تھے۔"

"نیک لوگ اپنے ناموں کا اعلان نہیں کیا کرتے۔" قاضی
بولے۔ پھر انھوں نے تمام حاضرین پر نظر ڈال کر کہا:

"امیر باعزت بری کیے جا رہے ہیں۔ امیر نے جو قتل کیا۔
اس میں وہ حق بجانب تھے۔"

"لیکن جناب — امیر نے قتل کیا ہی نہیں۔" اچانک محمود بول
اٹھا۔

امیر نے فوراً نظریں گھمائیں۔

"یہ آپ بولے تھے —" انھوں نے محمود سے ناخوش گوار
لہجے میں کہا۔

"جی ہاں! معافی چاہتا ہوں۔"

"آپ نے کیا کہا — امیر نے قتل نہیں کیا ہے۔"

"جی ہاں — مقتول کے جسم سے جو گولی نکالی گئی — وہ
گولی امیر کے پستول سے نکلنے والی گولی سے بالکل مختلف ہے۔
امیر نے پستول چلایا ضرور تھا — لیکن ان کے چلائے ہوئے پستول
سے کاشف امین ہلاک نہیں ہوا — بلکہ ایک بے آواز پستول سے
چلائی گئی گولی سے ہلاک ہوا — آپ ماہرین کی رپورٹیں دیکھ سکتے
ہیں۔"

"تب پھر — قاتل کون ہے۔"

"قاتل وہ کار والا تھا — جب اس نے دیکھا کہ امیر کی گولی
کاشف امین کو نہیں لگی — تو اس نے خود بے آواز پستول سے
فائر کر دیا — اس وقت کاشف امین امیر کی آواز سن کر مڑا ہو
گا — اس لیے گولی بھی کمر میں لگی — لیکن اگر ہم اس وقت موقع
واردات پر ہوتے تو فوراً ہی یہ بات بتا دیتے — کہ قتل امیر کی

گولی سے نہیں ہوا — کیوں کہ مقتول کے گرنے کا انداز صاف بتا دیتا
ہے کہ گولی کس طرف سے چلائی گئی ہے —" انسپکٹر جمشید نے جلدی
جلدی کہا۔

"اوہ!" بہت سی آوازیں ابھریں۔

"اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سازش امیر کے خلاف تیار کی
گئی تھی — سازشی لوگ ملک میں موجود ہیں — اور ان کے دشمن ہیں —
وہ پھر شرارت کریں گے — قاضی صاحب کو چاہیے کہ اس بات کو
پیش نظر رکھیں۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

قاضی صاحب کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا — شاید
انھیں انسپکٹر جمشید کا یہ جملہ ناگوار گزرا تھا، لیکن پھر ان کے چہرے
پر مسکراہٹ پھیل گئی —

"ٹھیک ہے — آپ نے بالکل ٹھیک کہا — عدالت برخاست کی
جاتی ہے۔" وہ بولے۔

وہ امیر کے ساتھ واپس ان کے گھر آئے:

"اب ہماری واپسی ہو گی — ہمیں اجازت دیں۔"

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔" امیر نے حیران ہو کر کہا۔

"جی کیا مطلب — ہونے کو اس میں کیا مشکل ہے۔" فاروق نے
حیران ہو کر کہا۔

امیر اس کے جملے پر مسکرائے — پھر بولے:

"میرے گھر سے سرکاری کاغذات چرالئے گئے ہیں — وہ کاغذات
ابھی تک اس نامعلوم شخص کے پاس ہیں جو کار میں فرار ہوا اور
آپ کی تفتیش کے مطابق — قاتل بھی وہی ہے — پھر — کیا وہ
آدمی گرفتار ہو گیا — وہ کاغذات مل گئے۔"

"اوہ — نہیں۔" وہ بولے۔

"تب پھر — آپ کو ابھی یہاں ٹھہرنا ہو گا — جب تک اس
سازش کے اصل مجرم گرفتار نہیں ہو جاتے — اس وقت تک آپ
لوگ نہیں جا سکتے۔"

"اچھی بات ہے — ہم یہ کام بھی کریں گے — آپ فکر نہ
کریں — کیا آپ کار والے کا حلیہ بتا سکتے ہیں۔"

"میں کافی فاصلے پر تھا — حلیہ آپ کو پہلے بتا ہی چکا ہوں اور
وضاحت نہیں کر سکتا۔"

"اچھی بات ہے — صبح سے ہم یہ کام بھی کریں گے — اللہ
نے چاہا تو اس سازش کے اصلی مجرموں کو گرفتار کر دکھائیں
گے — لیکن یہ سُن لیں — ہو سکتا ہے — آپ سازشیوں کو دیکھ
کر رنج محسوس کریں۔"

"آپ کا مطلب ہے — وہ میرے قریبی لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔"

"ہاں! اس کا امکان زیادہ ہے — وہ قاضی صاحب بھی ہو
سکتے ہیں۔"

"ارے نہیں — یہ آپ کا خیال غلط ہے۔"

"آپ قاضی صاحب کو معطل کر سکتے ہیں یا نہیں۔"

"بالکل کر سکتا ہوں، اس وقت مجھ پر کوئی الزام نہیں ہے،
میں جب چاہوں اسے اس عہدے سے برطرف کر سکتا ہوں۔"

"تو پھر میرا مشورہ ہے کہ قاضی صاحب کو عہدے سے ہٹا
دیں اور ان کی نگرانی کے لیے آدمی مقرر کر دیں — وہ اگر خود
سازشی نہیں ہیں تو سازشیوں سے ملے ہوئے ضرور ہیں۔"

"میں کسی طرح بھی ان باتوں پر یقین نہیں کر سکتا — قاضی
صاحب میرے دیکھے بھالے ہوئے ہیں — ان کی زندگی کا کوئی ایسا
واقعہ نہیں — جو انھیں غلط آدمی ثابت کر سکے۔"

"ہو سکتا ہے — میرا خیال غلط ہو — لیکن یہ سن لیں — کہ آپ
کے بری ہونے کی انھیں ذرا بھی خوشی نہیں ہوئی۔"

"ہاں! یہ بات کہی جا سکتی ہے — اس لیے کہ بطور امیر وہ
مجھے پسند نہ کرتے ہوں گے — اور ایسا کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔"

"خیر — دن نکلنے پر میں ان سے ملاقات کروں گا — اور کیس پر
باقاعدگی سے کام کروں گا — اصل قاتل کے پاس وہ پستول شاید
اب بھی موجود ہو گا — جس سے گولی چلائی گئی تھی — اور وہ
پستول اس کے خلاف مکمل ثبوت بن جائے گا۔"

"کم از کم کار والا شخص قاضی صاحب نہیں ہو سکتے — ان کی

جسامت اتنی نہیں ہے۔" امیر نے کہا۔

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ قاضی صاحب کو ایسے کام اپنے ہاتھوں سے کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس وقت ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ صبح پر رکھیں۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ آرام کریں۔"

انھیں مہمان خانے میں پہنچا دیا گیا۔ لیٹنے سے پہلے فرزانہ بولی:

"ابا جان میں خوف محسوس کر رہی ہوں۔"

"ضرور کرو۔ بلکہ شوق سے کرو۔ صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔" فاروق بولا۔

"مذاق میں نہ اڑاؤ فاروق۔ میں بہت سنجیدہ ہوں۔"

"اوہو اچھا۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا۔ تم اور بہت سنجیدہ۔" فاروق مسکرایا۔

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے میں زندگی میں کبھی سنجیدہ ہوئی ہی نہیں ہوں۔" فرزانہ جھلا کر بولی۔

"بھئی پہلے سن تو لو۔ فرزانہ خوف کیوں محسوس کر رہی ہے۔"

محمود نے بڑا سا منہ بنایا۔

"ضرور سن لو۔ میں نے کب روکا ہے۔"

"قاتل ابھی آزاد ہے۔ وہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کے نہ جانے

کتنے ساتھی شہر میں موجود ہیں۔ ہماری وجہ سے ان کی سازش ناکامی سے دوچار ہوئی ہے۔ ان حالات میں کیا وہ ہم سے انتقام لینا نہیں چاہیں گے۔"

"کم از کم تمھارا خوف بے بنیاد نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تب پھر ہمیں ارد گرد کا جائزہ لے لینا چاہیے۔"

"ہاں لے لو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ویسے مجھے نیند بہت زور سے آ رہی ہے۔ میں لیٹ رہا ہوں۔ کوئی خاص بات ہو تو جگا لینا۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ سو جائیں۔" محمود نے کہا۔

تینوں مکان کی چھت پر آئے اور ارد گرد کا جائزہ لیا۔ کسی قسم کے حفاظتی انتظامات نہیں تھے۔ ان کے علاوہ مکان میں اور کوئی نہیں تھا۔ خادم انھیں یہاں تک پہنچا کر واپس جا چکا تھا۔ ضرورت کی ہر چیز پہلے ہی موجود تھی۔

"نہیں فرزانہ۔ تمھارا خیال غلط ہے۔" محمود نے کہا۔

"چلو اچھا ہی ہے۔ خیال غلط نکلا۔ دیکھ لینے میں کوئی حرج تو نہ ہو گیا۔" اس نے منہ بنایا۔

"آؤ چل کر سوئیں۔"

وہ بھی اپنے اپنے بستر پر لیٹ گئے۔ جلد ہی نیند نے انھیں اپنی آغوش میں لے لیا، لیکن نہ جانے کس وقت۔ ایک کھٹکا ہوا اور سب سے پہلے فرزانہ کی آنکھ کھل گئی۔

جڑیں گہری ہیں

"اٹھو محمود — فاروق — میرا خیال درست ہو گیا —" فرزانہ نے دونوں کو بری طرح جھنجوڑ ڈالا۔

"کیا ہے — کیا درست ہو گیا ہے؟" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"خیال — ہم خطرے میں ہیں۔"

"تم ہو گی خطرے میں — ہم تو نیند میں ہیں۔" محمود منمنایا۔

"اوہو — تم پر تو واقعی نیند سوار ہے —" فرزانہ جھلا اٹھی اور کمرے سے نکل کر ساتھ والے کمرے کے دروازے پر آئی، یہ دیکھ کر اس کی سٹی گم ہو گئی کہ کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور اندر کوئی نہیں تھا۔

"ابا جان! آپ کہاں ہیں؟" وہ چلائی۔

فوراً دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی — محمود اور فاروق اندر داخل ہوئے — اب ان کے چہروں پر بھی ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"ابا جان کہاں گئے؟" فاروق بولا۔

"پریشان ہونے سے کچھ نہیں بنے گا — ہو سکتا ہے وہ کسی ضرورت کے تحت کہیں گئے ہوں۔" محمود بولا۔

"اس صورت میں وہ ہمیں بتا کر جاتے۔" فرزانہ نے نفی میں سر ہلایا۔

انھوں نے پورے مکان کو دیکھ ڈالا — انسپکٹر جمشید کہیں نظر نہ آئے — بیرونی دروازہ انھیں کھلا ملا تھا — البتہ کمرے میں افراتفری کے کوئی آثار نہیں تھے — گویا جانے سے پہلے کمرے میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی تھی —

"کیا خیال ہے — امیر کو فون کریں؟"

"کوئی فائدہ نہیں ہو گا — اور وہ بلا وجہ بے آرام ہوں گے، ہمیں خود ان کی تلاش میں نکلنا ہو گا۔"

"تو پھر آؤ۔"

وہ باہر نکلے — لیکن یہ کیا — گیراج میں گاڑی بھی نہیں تھی —

"اب تو قدرے اطمینان محسوس ہو رہا ہے — وہ ضرور خود ہی کہیں گئے ہیں —" محمود نے کہا۔

"میرا دل نہیں مانتا — ان کی عادت ہے — بتا کر جاتے ہیں۔"

ہو سکتا ہے — کسی وجہ سے انھیں بتانے کی مہلت نہ ملی ہو۔"

آخر وہ گھر سے باہر نکلے — یہ مکان ایک سڑک کے کنارے پر واقع تھا اور امیر کے گھر سے کچھ فاصلے پر تھا — اب وہ یا تو سڑک کے دائیں جا سکتے تھے یا بائیں — سڑک پر دائیں بائیں گلیاں بھی موجود تھیں — لیکن وہ سب گلیوں کو کس طرح چیک کر سکتے تھے —

"میں سڑک پر دائیں طرف جا رہا ہوں، تم اور فرزانہ بائیں طرف کا رخ کرو۔"

انھوں نے ایسا ہی کیا — دور تک سڑک پر دوڑتے چلے گئے — اور جب دوڑتے دوڑتے تھک گئے تو واپس روانہ ہوئے — آخر تینوں پھر مکان تک پہنچ گئے —

"کہیں کوئی آثار نظر نہیں آئے۔"

"کس بات کے آثار —" انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔

وہ چونک کر مڑے، انسپکٹر جمشید مکان کے اندر موجود تھے۔

"آپ — آپ آ گئے۔"

"میں گیا ہی کب تھا — ذرا تم تینوں کی عقل کا امتحان لے رہا تھا۔" وہ بولے۔

"جی کیا مطلب؟"

"میں دیکھنا چاہتا تھا — تم ان حالات میں کیا کرتے ہو۔"

"پھر آپ نے کیا دیکھا —"

"تم چھت پر کیوں نہیں گئے — تم نے سڑک کے دائیں بائیں — درختوں کے پیچھے کار کو کیوں تلاش نہیں کیا۔" انھوں نے منہ بنا کر کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"تو آپ خود ہی غائب ہوئے تھے — کسی نے آپ کو اغوا نہیں کیا تھا۔"

"نہیں — میں خاموشی سے گھر سے باہر نکلا — کار کو ذرا فاصلے پر چھپایا اور خود کھٹکا کرنے کے بعد چھت پر چلا گیا۔"

"دھت تیرے کی — بلا وجہ اتنی دور تک دوڑ لگائی۔" محمود نے مسکرا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا —

"اس کا مطلب ہے — ہم امتحان میں فیل ہو گئے۔" فرزانہ کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"ہاں بھئی — کم از کم اس امتحان میں تو تم ناکام ہی ہو گئے ہو، آؤ اب آرام کریں۔"

"اب آرام کرنے کا کون سا وقت رہ گیا ہے۔"

وہ اندر کی طرف مڑے، عین اسی وقت ایک ہولناک دھماکا

ہوا اور وہ اچھل کر بہت دور جا گرے۔ اگر ایسا نہ کرتے تو
بے شمار ملبے کے نیچے دب چکے تھے۔ مہمان خانہ ملبے کا
ڈھیر بن چکا تھا، اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس ڈھیر
کو دیکھ رہے تھے۔

پھر لوگوں کے گھروں کے دروازے اور کھڑکیاں کھلنے لگیں۔
بہت لوگ گھروں سے نکل نکل کر اس طرف دوڑ پڑے۔

"آؤ بھئی — ہم امیر کے گھر چلتے ہیں — یہاں رہ کر اب
وقت ہی ضائع کریں گے۔"

"لیکن ابا جان — یہ ہوا کیا؟"

"میں تمہارا امتحان لے رہا تھا — سازش کرنے والے میرا امتحان
لے رہے تھے — تم بھی فیل ہو گئے اور میں بھی — یہ اور بات
ہے کہ اللہ کو ابھی زندگی منظور تھی — اور میرا تم لوگوں کا
امتحان لینا کام آگیا۔"

"گویا — امیر کے خلاف سازش کرنے والے اب ہمارے دشمن
بن چکے ہیں اور وہ ہمیں ہر قیمت پر ختم کر دینا چاہتے ہیں،
تاکہ نئے سرے سے امیر کے خلاف کوئی سازش کی جائے۔" محمود
جلدی جلدی بولا۔

"ہاں، جب تک امیر قاضی کو نہیں ہٹاتے — یہ سازشیں
ہوتی رہیں گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"سوال یہ ہے کہ قاضی صاحب بھلا کیا فائدہ اٹھا سکیں گے۔
دو تین دن یا زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کے لیے اگر قاضی
صاحب امیر بن بھی گئے تو وہ کیا فائدہ اٹھا لیں گے۔"
محمود بولا۔

"صرف دو تین دن میں بھی ایسے زہر وطن میں بوئے جا سکتے
ہیں جن کے پھل قوم کو صدیوں تک کاٹنا پڑتے ہیں — یہ کوئی سوال
نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"سنا تم نے محمود — تمہارا سوال کوئی سوال نہیں۔" فاروق ہنسا۔

"تب پھر ابا جان — آپ امیر کو مشورہ کیوں نہیں دیتے۔"

"امیر میری بات نہیں مانیں گے — یہ مکمل طور پر اسلامی ملک
ہے — یہاں جب تک کوئی شخص کوئی جرم کر نہ لے، اسے گرفتار
نہیں کیا جاتا — کسی پر لاکھ شک ہو جائے — لیکن اسے صرف
شک کی بنیاد پر گرفتار نہیں کیا جائے گا — مجھے اسلامی تاریخ
کا ایک سنہری واقعہ یاد آگیا، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ
عنہ، کو جس شخص نے قتل کیا تھا، قتل سے پہلے آپ کی خدمت
میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میرا آقا مجھ سے بہت اجرت لیتا
ہے — آپ نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا کام جانتا ہے — اس
نے بتایا کہ میں چکیاں بناتا ہوں — آپ نے پوچھا، دن میں کتنی
چکیاں بنا لیتے ہو، اس کے جواب پر حضرت عمرؓ نے حساب لگا

کہ اس سے کہا کہ پھر تو تمہارا آقا زیادہ اجرت نہیں وصول کرتا۔
تم ایک چکی میرے لیے بھی بنا دو، اس پر اس نے کہا کہ آپ کو
تو میں ایسی چکی بنا کر دوں گا کہ یاد رکھیں گے۔ یہ کہہ کر وہ
تو چلا گیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے
کہا۔ تم جانتے ہو۔ یہ شخص مجھے قتل کی دھمکی دے کر گیا ہے۔
آپ کے ساتھیوں نے کہا، اگر یہ شخص دھمکی دے کر گیا ہے
تو آپ کیوں اسے گرفتار نہیں کرا دیتے۔ حضرت عمرؓ نے
جواب دیا۔ میں ایسے شخص کی گرفتاری کا حکم کیوں کر دے سکتا
ہوں جس نے ابھی تک کوئی جرم نہیں کیا۔ تو اس طرح یہاں
کسی ایسے شخص کو گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے تو ہمیں
ہی کوشش کرنا ہو گی۔ اور میں اپنا جال قاضی کے گرد اسی
وقت پھیلانے کی تیاری کرتا ہوں۔"

"ایک بات اور ابا جان۔ آپ کو یہ یقین کس طرح ہے
کہ وہ شخص امیر کا وفادار نہیں۔"

"ہو سکتا ہے۔ وہ پہلے وفادار رہا ہو۔ لیکن اب وہ سازشیوں
کے جال میں پھنس چکا ہے۔ جال میں پھنسنے کی وجوہات بہت سی
ہو سکتی ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ کوئی بڑا لالچ دیا گیا ہو۔ اس بات
کا بھی امکان ہے۔ کہ اسے اس حد تک مجبور کر دیا گیا ہو کہ
وہ سازشیوں کے اشارے پر ناچ رہا ہے۔ وجہ کچھ بھی ہو۔

وہ شخص سازشیوں کا ساتھ دے رہا ہے اور اس بات کا اندازہ
مجھے اس طرح لگا۔ کہ عدالت میں میں نے اس کے چہرے کا
بغور جائزہ لیا ہے۔ وہ امیر کے خلاف ایک چھپی نفرت اپنے اندر
رکھتا ہے۔ اب ذرا میں چند فون کر دوں گا۔ پھر ہم امیر سے
اس بارے میں بات کریں گے۔"

انھوں نے عبدالکریم کو فون پر ہدایات دیں۔ پھر چاروں
امیر کے پاس پہنچے۔ امیر نے لپک کر ان کا استقبال کیا:

"میں ایک بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں اور وہ یہ کہ قاضی صاحب
آپ کے وفادار نہیں ہیں۔"

"لیکن میں یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"اگر ہم یہاں نہ آ گئے ہوتے۔ تو وہ آپ کو قتل کا مجرم
قرار دے چکے تھے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ وہ ایک بہت اچھے باپ کا بیٹا
ہے۔ بہت قابل ہے اور مقدمات کے فیصلے بہت ہی سلجھے
ہوئے انداز میں دیتا ہے۔" امیر بولے۔

"یہ باتیں میں مان لیتا ہوں، لیکن آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ
ایک بہت اچھے باپ کا بیٹا بھی بہت اچھا آدمی ہی ہوتا ہے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔"

"تب پھر میرا مشورہ ہے کہ آپ انھیں گرفتار کر لیں۔"

"ابھی اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔" امیر نے حیران ہو کر کہا۔

"میں یہ بات پہلے ہی انھیں بتا چکا ہوں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں! ہمارے قانون میں یہ بات ہے۔ کہ جب تک کوئی آدمی جرم کر نہ لے۔ اسے گرفتار نہیں کیا جائے گا۔"

"لیکن ہم ان کی نگرانی تو کرا سکتے ہیں۔"

"ہاں ضرور کیوں نہیں۔ میں عبدالکریم سے کہتا ہوں۔" امیر نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ میں ان سے بات کر چکا ہوں، ہم تو اس وقت آپ کے پاس ایک اور غرض سے آئے ہیں۔ آپ کو خبردار کرنا چاہتے ہیں۔ سازش کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ آپ کو بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔"

"اگر میں نے یہ بات محسوس نہ کی ہوتی تو آپ کو کیوں بلاتا۔" امیر بولے۔

"تو آپ۔ بھی اس کی گہرائی کو محسوس کر چکے ہیں۔"

"ہاں! بالکل۔"

"تب پھر۔ آپ نے اپنی حفاظت کے لیے کچھ لوگوں کو کیوں مقرر نہیں کیا۔"

"میں اپنی ذات کے لیے سرکاری آدمیوں کو مقرر نہیں کر

سکتا۔"

"آپ اس قوم کے۔ اس ملک کے امیر بھی تو ہیں۔ امیر کی حفاظت کے لیے تو مقرر کر ہی سکتے ہیں۔"

"اوہ ہاں۔ یہ بات میرے ذہن میں نہیں آئی تھی۔"

"تو پھر۔ پہلی فرصت میں سادہ لباس والوں کو بلا لیجیے۔ بلکہ ہم یہاں سے جائیں گے ہی اس وقت۔ جب سادہ لباس والے آ جائیں گے۔"

"آپ۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔"

"شکریہ۔ تمام تعریفیں تو بس ایک اللہ کے لیے ہی ہیں۔"

امیر مسکرا دیے اور پھر فون کرنے لگے۔ سادہ لباس والوں کے آنے کے بعد وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اب ان کا انتظام دوسرے مہمان خانے میں کیا گیا تھا۔ اور وہاں بھی سادہ لباس والوں کا پہرہ تھا۔ وہ وہاں پہنچے تو فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا:

"ہیلو سر۔ قاضی صاحب اپنی کار میں کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہے ہیں۔"

"تعاقب جاری رکھیں۔ بس ہم آ رہے ہیں۔ کون سی سڑک پر ہیں۔"

"عابد روڈ پر — لیکن آپ ذرا جلدی کریں — ہمارے لیے
تعاقب بہت مشکل ہو رہا ہے — قاضی صاحب بہت تیزی سے
کار چلا رہے ہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"اچھی بات ہے۔"

وہ دوڑ کر باہر پہنچے — کار میں بیٹھے اور آندھی اور طوفان
کی طرح روانہ ہوئے — ساتھ ہی انھوں نے فون کا ریسیور
کانوں کے ساتھ چپکا لیا —

"ہاں بھئی — اب کہاں ہیں۔"

"وہ نکل گئے ہیں سر — افسوس —"

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"مطلب یہ کہ نظروں سے اوجھل ہو چکے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں — اس سمت میں چلتے ہیں۔"

"کوئی فائدہ نہیں ہو گا سر — دائیں بائیں بے شمار سڑکیں
ہیں — وہ نہ جانے کون سی سڑک پر مڑ گئے ہوں گے،
اس صورت میں ہم آگے بڑھتے رہے تو کیا فائدہ ہو گا۔"

"ہوں — اچھا خیر — آپ جہاں ہیں — وہیں ٹھہریں —
ہم آ رہے ہیں۔"

ان کا سفر جاری رہا — یہاں تک کہ سڑک کے کنارے
کھڑے سادہ لباس والے نے انھیں ہاتھ کا اشارہ دیا —

انھوں نے بریک لگائے اور اس کے قریب رک گئے۔

"ان کا رخ اس طرف تھا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں! لیکن۔"

"میں جانتا ہوں، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں — آپ قاضی
صاحب کے گھر کے نزدیک پہنچ جائیں — اور نگرانی کرتے رہیں،
جونہی قاضی صاحب واپس آئیں — مجھے فون کر دیں۔"

"بہت بہتر سر۔"

اب وہ دائیں بائیں دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے:

"اس کا مطلب ہے — کچھ لوگ امیر کو ہر قیمت پر ہٹا دینا
چاہتے ہیں —" فاروق بڑبڑایا۔

"ہاں! اور انھوں نے قاضی صاحب جیسے لوگوں کی مدد
حاصل کر رکھی ہے۔" محمود نے کہا۔

"حیرت تو یہی ہے — کہ مکمل طور پر اسلامی ملک میں بھی
غدار لوگ موجود ہیں۔"

"غدار بنا لیے جاتے ہیں — ہوتے نہیں۔" انسپکٹر جمشید زہریلے
انداز میں بولے۔

اچانک انھیں رک جانا پڑا — سڑک پہ ایک ٹرک ٹیڑھا
کر کے کھڑا کیا گیا تھا:

"یہ اچھا ہوا — انھوں نے خود ہی ہمیں روکنے کا پروگرام

بنا لیا۔ انھیں تلاش نہیں کرنا پڑے گا۔" وہ بڑبڑائے۔

ان کی کار کے رکتے ہی بیسیوں آدمی رائفلیں لیے ان کی طرف دوڑ پڑے۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید اگر چاہتے تو گاڑی کو نہایت تیز رفتاری کے ساتھ بیک لے جا سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ پرسکون انداز میں بیٹھے رہے

"نیچے اتر آئیں۔ اب آپ اس کار میں سفر نہیں کر سکیں گے۔"

"کیا ہمارے لیے کسی اور گاڑی کا انتظام کیا گیا ہے؟"

"ہاں بالکل۔ بہت ہی خوب صورت انتظام۔" ایک نے ہنس کر کہا۔

وہ نیچے اتر گئے۔ اور ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

"یہ انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے ہیں۔ یقین نہیں آ رہا۔ یہ تو بالکل چوہوں کی طرح پکڑے گئے۔" دوسرا بولا۔

"کیا کیا جائے۔ ہم یہاں پردیسی جو ہوئے۔ نہ ہوا ہمارا ملک پھر دکھاتے آپ کو اپنے ہاتھ۔" فاروق نے شوخ انداز میں کہا

"بہتر ہو گا کہ آپ اپنے ہاتھ یہاں بھی دکھا ہی دیں۔" ایک اور بولا۔

"ارے نہیں۔ ہم ایسی گستاخی نہیں کر سکتے۔"

"تب پھر تشریف لے چلیے اور ٹرک میں بیٹھ جائیے۔"

بس کے قریب آدمیوں کے گھیرے میں انھیں ٹرک کے پچھلے حصے میں بٹھایا گیا اور ٹرک آگے روانہ ہوا۔ ان کی کار اب حملہ آور چلا رہے تھے۔

اور پھر ایک بڑی عمارت میں ٹرک داخل ہو گیا۔ انھیں نیچے اتارا گیا۔ عمارت کے ایک کمرے میں جب وہ داخل ہوئے تو وہاں قاضی صاحب موجود تھے۔ انھیں دیکھ کر ان کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ تیر گئی۔

یہ طیارہ

"ہمارے امیر کے مہمان آ گئے — اب ہم بھی ذرا میزبانی کے فرائض انجام دیں گے۔" قاضی صاحب بولے۔

"بہت جلد کھل کر سامنے آ گئے آپ —" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اب چھپے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا — تم نے جو باتیں مہمان خانے میں کیں — وہ ہم سن چکے ہیں — اور جو باتیں امیر کے ساتھ کیں — وہ بھی ہم نے سن لی ہیں — امیر سے کی جانے والی بات چیت ہم آسانی سے سن لیتے ہیں — اب جب کہ تم مجھے اس ملک اور قوم کا دشمن سمجھ ہی چکے ہو تو میں نے بھی کھل کر سامنے آنے کا فیصلہ کر لیا — ویسے انسپکٹر صاحب — آپ ایک بات نوٹ کر لیں —"

"ایک منٹ جناب —" فاروق فوراً بولا اور ہاتھ جیب کی طرف لے گیا۔

"خبردار — تم ہاتھ نہیں گراؤ گے۔" ایک محافظ چلایا۔

"بگڑا کب رہا ہوں — میں تو ذرا نوٹ بک نکال رہا تھا۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"کیا مطلب — کیسی نوٹ بک —" قاضی نے چونک کر کہا۔

"بہت اچھی، بہت خوب صورت نوٹ بک — آپ ہی نے تو کہا ہے — ایک بات نوٹ کر لیں۔"

"تم ذرا دیر کے لیے خاموش نہیں رہ سکتے۔"

"ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا — لیکن آپ نے خود ہی کہا ہے نوٹ کرنے کے لیے —" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"اچھا بھائی — تم کر لو نوٹ —" قاضی جھلا اٹھا۔

"میں کہہ رہا تھا انسپکٹر صاحب — آپ امیر کو نہیں بچا سکیں گے — ان کی حکومت کے دن گنے جا چکے ہیں۔"

"کس نے گنے — اور وہ کتنے ہیں۔" فاروق نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"تم پھر بولے۔" قاضی بھنا اٹھا۔

"فاروق چپ رہو — ورنہ یہ تمہیں کاٹ کھائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"ج — جی بہتر۔"

"قاضی صاحب اب چند دن کے مہمان ہیں — میری یہ بات یاد رکھیں۔"

"جب تک اللہ کو ان کی زندگی منظور ہے — کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"اللہ کو منظور ہی تو نہیں ہے۔" قاضی ہنسا۔

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں — آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"بس ہو گیا معلوم — اور تم لوگ تو ان سے بھی پہلے رخصت ہو رہے ہو۔"

"اچھا — بھلا کیسے۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"ابھی اور اسی وقت — تمام کر دو ان کا کام۔"

"ایک منٹ — جناب — ایک منٹ — آپ مجھ سے یہ نوٹ بک لے لیں — میں نے اس میں آپ کے الفاظ لکھ دیے ہیں۔"

یہ کہہ کر فاروق نے نوٹ بک ان کی طرف کر دی۔

"تم بہت بدتمیز ہو — لیکن اب تم ہمیشہ کے لیے اپنی بدتمیزی سمیت دفن ہو جاؤ گے۔"

"ایک دن تو سبھی کو دفن ہونا ہے — میری کیا بساط۔"

عین اسی وقت نوٹ بک ایک ہلکے سے دھماکے سے پھٹی — کمرہ دھوئیں سے بھر گیا — انھوں نے قاضی کی حیرت میں ڈوبی آواز سنی:

"ارے! یہ کیا —"

اور پھر وہ تڑ سے گرا اور بے ہوش ہو گیا — اس کے ساتھی اس سے پہلے بے ہوش ہو چکے تھے —

"اب امیر انھیں گرفتار کرنے میں کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔"

انھوں نے کہا اور امیر کو فون کرنے لگے — آدھ گھنٹے بعد وہاں امیر اور پولیس والے پہنچ چکے تھے — امیر کی حیرت کا کیا پوچھنا —

"لیکن بھئی — ہم عدالت میں ان کے خلاف ثبوت کیسے پیش کریں گے۔"

"یہاں ہونے والی تمام گفتگو ٹیپ کی جا چکی ہے — ہم عدالت کو وہ گفتگو سنا دیں گے — اب قاضی کون ہوں گے۔"

"نائب قاضی — سلمان فاروقی۔"

"ان کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟"

"بالکل ٹھیک آدمی ہے۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو — ویسے میں عدالت کی کارروائی دیکھ کر ہی بھانپ لوں گا کہ وہ ٹھیک آدمی ہیں؟ یا نہیں — آپ اس معاملے کو صبح ہی عدالت میں پیش کر دیں۔"

"ہاں بالکل — ایسا ہی کریں گے۔"

گرفتار شدہ لوگوں کو اسی ٹرک میں سوار کر کے حوالات تک پہنچایا گیا۔ اس خبر کو پوشیدہ رکھا گیا تھا کہ قاضی صاحب گرفتار کر لیے گئے ہیں۔ اور ایسا انسپکٹر جمشید کے مشورے پر ہوا۔

دوسرے دن صبح سویرے ایک طرف تو قاضی اور اس کے ساتھیوں کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ دوسری طرف شہر میں اعلان کر دیا گیا کہ قاضی کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اور عدالت اپنا فیصلہ صبح سویرے سنا رہی ہے۔

اس اعلان کے نتیجے میں ہزاروں لوگ عدالت کے گرد جمع ہو گئے۔ لیکن کوئی قاضی کے حق میں نعرہ نہیں لگا رہا تھا۔ سب خاموش تھے۔ آخر عدالت کی کارروائی شروع ہوئی۔ انسپکٹر جمشید نے اپنے ثبوت پیش کیے۔ اس کے بعد قاضی سلمان فاروقی نے ملزم قاضی سے کہا:

"آپ اگر اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں۔"

"یہ سارا مقدمہ بے بنیاد گھڑا گیا ہے۔ امیر دراصل میرے خلاف ہو گئے ہیں۔ کیوں کہ انھوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ میں ان کے خلاف فیصلہ دینے والا ہوں۔ اس کے باوجود کہ میں نے ان کے خلاف فیصلہ نہیں دیا۔ لیکن پھر بھی یہ دشمنی پر اتر آئے ہیں۔ ایسے امیر کو امیر رہنے کا کوئی حق نہیں۔ عوام کو چاہیے کہ ان سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کریں۔"

"جس عمارت سے آپ کو گرفتار کیا گیا۔ کیا وہاں ہونے والی گفتگو سے بھی آپ انکاری ہیں۔"

"ہاں بالکل۔ یہ گفتگو بھی فرضی ہے۔" قاضی نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ اب میں عدالت کو وہ گفتگو سناتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید شوخ آواز میں بولے۔

"کیا مطلب؟" قاضی زور سے چونکا۔

"جس طرح آپ مہمان خانے میں ہونے والی گفتگو اور امیر صاحب سے ہونے والی ہماری گفتگو سنتے رہے ہیں۔ اسی طرح میں نے بھی آپ کی تمام باتیں ٹیپ کی ہیں۔ ابھی سن لیں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے کلائی کی گھڑی کا بٹن دبا دیا۔ فوراً ہی گفتگو عدالت کے کمرے میں گونجنے لگی اور ادھر لوگ صاف دیکھ رہے تھے کہ قاضی کا رنگ اڑتا جا رہا ہے۔ پوری گفتگو سننے کے بعد نائب قاضی بولے:

"میرا خیال ہے۔ اب اس معاملے میں کوئی شک نہیں رہ گیا، قاضی واقعی سازشی لوگوں کے ساتھ مل گئے تھے اور اس جرم کی سزا عمر قید کی سزا ہے۔ میں ان سب کو عمر قید کی سزا سناتا ہوں۔"

"لیکن سر۔ ابھی مجھے ان سے پوچھ گچھ کرنے کی اجازت بھی دی جائیں۔ اصل سازشیوں کا بھی تو کھوج لگانا ہے۔" انسپکٹر

جمشید نے جلدی سے کہا۔

"اجازت ہے۔"

اور عدالت برخاست ہو گئی — قاضی اور اس کے ساتھیوں کو پولیس ہیڈ کوارٹر لایا گیا — وہاں انسپکٹر جمشید کی ہدایات پر انھیں کمرۂ امتحان میں لے جایا گیا — ان پر ہر طرح کی سختی کر کے دیکھ لی گئی — لیکن وہ سازشیوں کے بارے میں کچھ بھی نہ بتا سکے — قاضی صاحب نے بھی ہونٹ نہ کھولے — آخر انسپکٹر جمشید نے ان سے کہا:

"قاضی صاحب! میں یہ بات ماننے پر تیار نہیں ہوں کہ آپ نے یہ سب کچھ خود امیر بننے کے لیے کیا — کیوں کہ یہ شوریٰ کی مرضی ہوتی ہے — کہ کس کو امیر مقرر کرے — نہ کہ آپ کی مرضی چلتی — لہٰذا آپ امیر بننا نہیں — صرف اتنا چاہتے تھے کہ کسی طرح امیر کا کانٹا نکل جائے — اور میں یہ بھی دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کا سازشیوں سے گٹھ جوڑ ہے — اب بھی آپ ان کے بارے میں صرف اس لیے کچھ نہیں کہہ رہے کہ آپ کا خیال ہے — وہ نامعلوم لوگ آپ کو بچا لیں گے — لیکن یہ آپ کی بھول ہے — کم از کم آپ ہماری موجودگی میں آزاد نہیں ہو سکیں گے — ان شاء اللہ تعالیٰ —"

"اس میں شک نہیں — کہ میں سازشیوں کے ساتھ مل گیا

تھا — لیکن میں ان لوگوں کو ہرگز نہیں جانتا — اس لیے کہ وہ صرف وائرلیس پر بات کرتے ہیں — سامنے کبھی نہیں آئے۔"

"اور آپ ان کے لیے کام کرنے پر کیوں تیار ہوئے۔"

"لالچ مجھے لے ڈوبا — اس نے مجھے اندھا کر دیا — لالچ واقعی بہت بری بلا ہے — انھوں نے مجھے عجیب و غریب قسم کے لالچ دیے تھے — میں یہاں ان لالچوں کا ذکر کر کے اپنی نظروں میں گر جاؤں گا — مجھ سے کچھ نہ پوچھیں۔"

"اچھا نہیں پوچھتے — صرف اتنا بتا دیں — کیا آپ واقعی سازش کرنے والوں کو نہیں پہچانتے۔"

"نہیں! وہ سامنے نہیں آتے —"

"رابطہ کیسے قائم کرتے ہیں — میرا مطلب ہے — لین دین کیسے کرتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بنک اکاؤنٹ میں رقمیں جمع ہو جاتی ہیں — احکامات وائرلیس کے ذریعے مل جاتے ہیں۔"

"امیر کے بارے میں ان کا کیا حکم تھا۔"

"یہ کہ قتل کے اس کیس میں انھیں موت کی سزا سنا دی جائے۔"

"اور آپ نہیں سنا سکے —" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ آپ کی وجہ سے ہوا۔" اس نے منہ بنایا۔

"ہماری وجہ سے نہیں، اللہ کے حکم سے — جب آپ نے

امیر کو موت کی سزا نہ سنائی تو پھر انھوں نے آپ سے کچھ کہا۔"

"بہت زیادہ ناراضی کا اظہار کیا تھا۔ میں نے تمام واقعہ دُہرایا اس پر انھوں نے آپ کے بارے میں حکم دیا کہ پہلے آپ کا خاتمہ ضروری ہے۔ پھر ہم سازش پر کام کریں گے۔ اس کے لیے بھی انھوں نے مجھے ہدایات دیں۔ اور میں نے ان کی ہدایات پر عمل کیا۔ انھیں معلوم تھا کہ آپ کے آدمی میری نگرانی کر رہے ہیں۔ لہٰذا اسی کے مطابق پروگرام ترتیب دیا۔ لیکن وہ، وہ نوٹ بک۔ لے بیٹھی ہمیں۔ عجیب چیز تھی وہ۔"

"افسوس! اب میں ضروری باتیں کس چیز میں نوٹ کروں گا۔" فاروق نے رونی صورت بنائی۔

"اپنے سر میں۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"آؤ بھئی چلیں، قاضی صاحب۔ اب کوئی اور کام کی بات نہیں بتا سکیں گے۔" اتنا کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا ابّا جان۔ کہ امیر ابھی بدستور خطرے میں ہیں۔"

"یہ ایسا کوئی خطرہ نہیں۔ ایسے خطرات تو اس وقت ملک کے ہر حکمران کے سامنے ہیں۔ امیر کو اصل خطرہ اس کیس کی وجہ سے لاحق ہو گیا تھا۔ اب ہم انھیں چند حفاظتی تدابیر بتا کر رخصت چاہیں گے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

آخر امیر نے ان کی ہدایات پر عمل کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے انھیں اجازت دے دی۔ لیکن ساتھ ہی انھوں نے کہا:

"مجھے بھی آج سفر کرنا ہے۔ اپنے ہی ملک کے ایک شہر میں کچھ پروگرام ہے۔ آپ اپنے جہاز پر سوار ہو جائیں گے، میں اپنے جہاز پر۔ میرا مطلب ہے۔ یہاں سے ساتھ ہی چلتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ اس حد تک مصروف رہے کہ ہم مہمان نوازی کا حق بھی ادا نہیں کر سکے۔ اب کچھ فرصت ملی تو آپ نے جانے کا پروگرام بنا لیا۔"

"ہمارے خیال میں تو آپ حق ادا کر چکے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"آپ لوگ مجھے تمام زندگی یاد آئیں گے۔" امیر بولے۔

"آپ ہماری خاطر اتنی زحمت نہ مول لیں۔ جب بھی ہم یاد آئیں۔ فون پر بات کر لیں۔ یا ہمیں بلا لیں۔" فاروق نے کہا۔ امیر بھرپور انداز میں مسکرا دیے۔

"میں آپ سے کئی باتیں پوچھنا چاہتا تھا۔ لیکن پوچھ نہیں سکا۔ اس لیے کہ وہ باتیں خاص طور پر ملک سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور ملکی باتیں پوچھنے کا میں کوئی حق نہیں رکھتا۔"

"بات ٹھیک ہی ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے۔ آپ کوئی

ایسی بات پوچھیں جو میں بتانے میں کوئی قومی خیانت نہ محسوس کروں گا۔"

یہ باتیں وہ کار میں کر رہے تھے، کار ایر پورٹ کی طرف رواں دواں تھی۔

"خیر جس سوال کا جواب دے سکتے ہیں، دے دیں، ورنہ صاف کہہ دیں کہ جواب نہیں دیا جا سکتا، ہم برا نہیں مانیں گے۔"

"بالکل ٹھیک۔" وہ بولے۔

"میرا پہلا سوال — آپ کا ملک مکمل طور پر اسلامی ملک ہے، یہاں تمام قوانین اسلام کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں — ان حالات میں آپ غیر اسلامی ملکوں — میرا مطلب ہے — غیر اسلامی بڑی طاقتوں سے مدد لیتے ہیں — اسلحہ — خوراک وغیرہ میں۔"

"ہاں! ایسا کرنے پر ہم مجبور ہیں — ہمارے ہاں اسلحے کے کارخانے نہیں ہیں — اسی طرح ہمارے ہاں لوگ زراعت پیشہ نہیں ہیں — لہذا امداد لینے پر مجبور ہیں — لیکن ہم ان چیزوں کی نقد ادائیگی کر دیتے ہیں۔"

"بے شک آپ ان چیزوں کی نقد رقم ادا کر دیتے ہیں، لیکن پھر بھی آپ کو ان سے درخواست تو کرنا پڑتی ہے — کیا ہی اچھا ہو — کہ آپ اسلحے کے کارخانے بھی لگائیں اور زراعت پیشہ لوگوں میں اضافہ کرنے کی طرف بھی توجہ دیں۔"

"یہ دونوں باتیں میں چند سال پہلے شروع کر چکا ہوں، بہت تیزی ے کام ہو رہا ہے اور آئندہ چند سال تک ہم ان شاء اللہ ی قابل ہو جائیں گے کہ دوسروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑیں۔"

"بہت خوب! آپ نے جب سے یہ کام شروع کیا، ان بڑی طاقتوں نے آپ کو کچھ نہیں کہا۔"

"انھوں نے نرم گرم انداز میں دھمکیاں تک دی ہیں — لیکن ں ان دھمکیوں میں نہیں آیا۔"

"تب پھر — آپ کے خلاف سازش کی یہ بھی بڑی وجہ سکتی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! میں یہ بات محسوس کرتا ہوں — لیکن سازش تو وہ ہمارے وں کے ذریعے ہی کراتے ہیں نا — اگر ہم اپنے ہاں سے غداروں ختم کر دیں — تو پھر وہ اپنی سازشوں میں کامیاب نہیں ہو گے — اب میں اس طرف بھی توجہ دوں گا — بلکہ اس وقت ی ہیں اسی سلسلے میں جا رہا ہوں — اس شہر میں کچھ ے لوگ میرے بارے میں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہتے ں — میں ان لوگوں سے ملاقات کرنے جا رہا ہوں — اگر یہ گ سیدھی طرح باز نہ آئے تو پھر ان سے سختی سے نبٹا ئے گا۔"

"اللہ کرے آپ اپنے مشن میں کامیاب ہوں — ہم ہر اسلامی

ملک کے لیے محبت ہی محبت کے جذبات رکھتے ہیں۔"

"چند ماہ بعد میں پھر آپ لوگوں کو دعوت دوں گا
ایک ضروری پروگرام کے سلسلے میں — اُمید ہے آپ ز
لائیں گے۔"

"ہم اپنی پوری کوشش کریں گے، لیکن آپ نے یہ
نہیں کیا — وہ ضروری پروگرام کیا ہے؟"

"اسلامی ملکوں کے سربراہوں کا ایک اجلاس بلا رہا ہوں
ہم اس میں یہ طے کریں گے کہ غیر مسلم ملکوں کی محتاجی سے
ہم کس طرح نجات حاصل کر سکتے ہیں، ہو سکتا ہے — آپ
کوئی معقول ترین تجویز پیش کر سکیں۔"

"لیکن جناب — میں کسی ملک کا سربراہ نہیں ہوں۔"

"آپ اپنے ملک کے صدر کے ساتھ ان کے سیکرٹری
حیثیت سے آ سکیں گے — اور سیکرٹری بھی مشورہ دے
ہیں۔" وہ مسکرائے۔

"ہم ضرور آئیں گے انکل — آپ فکر نہ کریں۔" فاروق
جلدی سے کہا۔

"اس سلسلے میں واقعی میرے ذہن میں چند بہت اچھی تجا
ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تب تو آپ کا آنا ضروری ہو گیا — میں آپ کے صدر

بات کروں گا۔"

"میں نے ابھی صرف ایک سوال کیا ہے۔"

"اوہ ہاں — آپ کا دوسرا سوال۔"

"ملک میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں — جو اسلامی قانون اور خاص
طور پر اسلامی سزاؤں کے خلاف ہیں۔"

"ہاں! ایسے لوگ موجود ہیں۔"

"ان پر کڑی نظر رکھیے — وہ سازشی ملکوں کا ساتھ آسانی
سے دے سکتے ہیں۔"

"ہوں! آپ کی یہ بات بہت اہم ہے — میں اب اس طرف
بھی توجہ دوں گا۔"

"ایک اور بات — آپ اسلحہ اور غلّہ کچھ ایسے ملکوں سے بھی
خریدنا شروع کر دیں — جو ہیں تو ان بڑی طاقتوں کے دوست،
لیکن ہیں چھوٹے ملک —"

"اس کا کیا فائدہ ہو گا۔"

"اس طرح ان میں چپقلش پیدا ہو گی — یہ طاقتیں اسلامی ملکوں
کے اندر چپقلش پیدا کر کے فائدہ اٹھاتی ہیں — مسلمانوں کو
کمزور کرتی ہیں — تو ہم ایسے کام کیوں نہ کریں۔"

"ہوں! واقعی — آپ کی باتوں میں بہت گہرائی ہے — میں ان
باتوں پر بھی توجہ دوں گا — اوہو — ہم ایئر پورٹ پر پہنچ گئے —"

باتوں میں احساس ہی نہیں ہوا — اور راستا طے ہو گیا۔ وہ چونکے۔

انھوں نے نظریں اوپر اٹھائیں — دارالحکومت کا شاندار ایرپورٹ ان کے سامنے تھا — پھر ان کی کار اندرونی حصے میں داخل ہو گئی — ایرپورٹ کے چند آفیسرز نے ان کا استقبال کیا — امیر کا طیارہ سامنے ہی کھڑا تھا — اس پر لکھے ہوئے حروف پڑھتے ہی انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا:

"اوہ! یہ طیارہ —"

وہ دوڑتے پل

امیر نے چونک کر ان کی طرف دیکھا:

"کیوں — کیا ہوا اس طیارے کو؟"

"جی کچھ نہیں — کچھ عرصہ پہلے ہمارے ملک کے صدر طیارے کے حادثے میں جاں بحق ہو گئے تھے — ان کا طیارہ بھی بالکل اسی قسم کا تھا — ۱۲۵ — ڈی — انشارجہ کا۔"

"ہاں! یہ بالکل اسی جیسا طیارہ ہے — اور بہت اچھا اور محفوظ ہے — وہ حادثہ بم کا تھا — طیارے میں بم رکھا گیا تھا — تفتیشی ٹیموں نے بھی یہی بات معلوم کی تھی۔" امیر بولے۔

"جی ہاں! طیارہ دیکھ کر مجھے صدر یاد آ گئے — ہماری ان سے اکثر ملاقات ہوتی رہتی تھی۔"

"اس دنیا میں کوئی کب ہمیشہ رہا ہے — ہاں بھئی — میرے طیارے کا کیا وقت ہے — اور ان کا طیارہ کب جائے گا؟" امیر عملے کی طرف متوجہ ہوئے۔

"آپ ان سے پندرہ منٹ پہلے جا رہے ہیں سر — آپ کا وقت ہو چکا ہے۔"

"اچھا بھئی — میں چلتا ہوں — " یہ کہہ کر انھوں نے ان چاروں سے ہاتھ ملائے اور طیارے کی طرف بڑھ گئے۔

"آؤ بھئی چلیں — " انسپکٹر جمشید نے اپنے طیارے کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔

تینوں ان کے پیچھے چل پڑے — نہ جانے کیوں — وہ دلوں پر ایک بوجھ سا محسوس کر رہے تھے — جیسے کسی بہت قریبی عزیز سے رخصت ہوئے ہوں — حالاں کہ امیر کے ساتھ انھوں نے بہت ہی مختصر سا وقت گزارا تھا — محمود نے مڑ کر دیکھا — امیر طیارے کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے — اس نے ہاتھ ہلایا — کیوں کہ اسی وقت امیر نے بھی مڑ کر ان کی طرف دیکھا تھا — وہ مسکرائے، فاروق اور فرزانہ نے محمود کو ہاتھ ہلاتے دیکھا تو انھوں نے بھی ہاتھ ہلائے — انسپکٹر جمشید بھی رک گئے — آخری سیڑھی پر پاؤں رکھ کر وہ پوری طرح ان کی طرف گھومے، دونوں ہاتھ ہلائے اور جہاز میں داخل ہو گئے — دروازہ بند ہو گیا — سیڑھی پیچھے ہٹتی چلی گئی — تین منٹ بعد جہاز رن وے پہ دوڑ رہا تھا اور پھر وہ اوپر اٹھتا چلا گیا —

"ہم بہت جلد امیر سے پھر ملیں گے — آؤ اب چلیں۔" انھوں

پکٹر جمشید کی آواز سنی — کیوں کہ تینوں کی نظریں اب تک ر جمی تھیں —

"ہمیں آج نہ جانے کیوں — اپنے صدر بار بار یاد آ رہے ہیں۔"

"بس — ان کے والا طیارہ دیکھا نا — اس لیے خیال آ گیا۔"

اب وہ اپنے طیارے کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے — لیکن ابھی یڑھی پر نہیں پہنچے تھے کہ ایک دھماکے کی آواز سنائی دی، بہت ہلکی سی تھی — انھوں نے فوراً گھوم کر دیکھا — لیکن بات نظر نہ آئی — البتہ عملے کے لوگ اِدھر سے اُدھر بھاگنے ئے —

"کچھ ہوا ضرور ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

اچانک تیز سائرن بجنے لگا — عملے کے لوگوں میں افراتفری سی گئی —

"پتا نہیں — کیا بات ہے — آؤ دیکھتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور جلدی جلدی سیڑھیاں اترنے لگے — اتر کر انھوں نے دیکھا — عملے کے بھاگتے ہوئے لوگوں پر اور دہشت کا عجیب عالم طاری تھا — ان کے رنگ اڑے ئے تھے:

"کیا ہوا ہے بھئی — خیر تو ہے۔"

لیکن ان کی بات کا جواب دینے کی انھیں کہاں فرصت تھی —

"اللہ اپنا رحم فرمائے — ان حالات میں ہمارا جہاز کب پرواز کر سکے گا — آؤ ذرا آگے چل کر معلوم کرتے ہیں۔"

وہ تیز تیز قدم اٹھانے لگے — اچانک انھیں عبدالکریم نظر آیا — وہ اس کی طرف لپکے — عبدالکریم کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا —

"کیا ہوا بھئی — خیر تو ہے۔"

عبدالکریم چونک کر ان کی طرف مڑا — اور پھر اس کے منہ سے نکلا:

"وہ — وہ — امیر کا طیارہ ایک دھماکے سے پھٹ گیا ہے — فضا میں پھٹا ہے۔"

"نہیں!!" وہ ایک ساتھ چلائے۔

"آیئے — میں جائے حادثہ کی طرف جا رہا ہوں۔"

وہ اس کے پیچھے دوڑنے لگے — ان کے دماغ سائیں سائیں کر رہے تھے — رن وے سے نکل کر انھیں کئی کھیت عبور کرنا پڑے — اب ان کی سمجھ تک یہ بات آئی کہ لوگ کاروں پر کیوں نہیں جا رہے تھے — یہ تمام کا تمام علاقہ زراعتی تھا — دور دور تک کھیت ہی کھیت تھے — کاریں اس نرم زمین میں پھنس جاتیں — اس لیے وہ سب لوگ پیدل دوڑ رہے تھے — ان گنت لوگ — انھوں نے اس طرح دوڑنے کا منظر پہلے شاید کبھی نہیں

دیکھا تھا — وہ دیوانوں اور پاگلوں کی طرح دوڑ رہے تھے — یوں لگتا تھا جیسے انھیں اپنے امیر سے بہت محبت ہو —

"یہ لوگ وہاں پہنچ کر گڑبڑ کر دیں گے — جب کہ ہر چیز اپنی جگہ پر موجود رہنی چاہیے۔" انسپکٹر جمشید نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

عبدالکریم نے ان کی آواز سن لی — وہ بولا۔

"ملٹری سب سے پہلے وہاں پہنچی ہے — اور اس نے ملبے کے گرد گھیرا ڈال دیا ہے۔"

"تب تو ٹھیک ہے — امیر کے بارے میں ابھی تک معلوم ہوا ہے یا نہیں۔"

"ابھی تک کچھ نہیں ہو سکا۔"

"طیارے میں ان کے ساتھ اور کتنے لوگ تھے۔"

"پندرہ کے قریب ان کے قریبی ساتھی تھے — بڑے بڑے عہدے دار اور فوجی آفیسرز۔" اس نے بتایا۔

"بالکل اسی قسم کا حادثہ۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہاں! جہاز بھی ویسا ہی تھا۔" فاروق نے کہا۔

"آخر غیر ملکی سازشی کامیاب ہو گئے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں! جب انھوں نے دیکھا کہ قاضی کے ذریعے امیر کو موت کی سزا نہیں دلوا سکے — تو طیارے میں بم رکھوا دیا۔"

"کاش—ہم طیارے کی تلاشی لے لیتے۔" محمود نے سرد آہ بھری۔

"لیکن کسے معلوم تھا—کہ ایسا ہو جائے گا۔" فرزانہ بولی۔

دوڑتے دوڑتے وہ ملٹری کے گھیرے تک پہنچ گئے—انھیں رکنا پڑا—اور لوگ جو یہاں تک پہنچ چکے تھے—اس جگہ سے آگے نہیں جا سکے تھے—

"کچھ پتا چلا۔" عبدالکریم نے آگے بڑھ کر کہا۔

"اوہ آپ ہیں امیر زادے—ہمیں افسوس ہے—آپ کو کوئی اچھی خبر نہیں سنا سکتے۔"

"اِنّا لِلّٰہ و اِنّا الیہ راجعون۔" عبدالکریم کے منہ سے نکلا اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"کیا کوئی بھی نہیں بچا۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی نہیں—فضا میں ہی جہاز کے ٹکڑے بکھر گئے تھے۔"

"یا اللہ—" محمود نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں۔

"ہمیں تو کم از کم آگے جانے دیں—ہم کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ابھی نہیں جناب—پہلے قاضی سلمان فاروقی صاحب آئیں گے، اس کے بعد کسی اور کو آگے جانے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔"

"آپ نہیں جانتے—یہ کون لوگ ہیں—یہ امیر کے مہمان ہیں—قتل کیس کی تفتیش کے لیے انھیں بلایا گیا تھا۔" عبدالکریم نے کہا۔

"اوہ اچھا—تب آپ آگے چلے جائیں—لیکن کسی چیز کو بھی ادھر سے ادھر نہ کریں—کیوں کہ غیر ملکی تفتیشی ٹیمیں بہت جلد پہنچنے والی ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں—ہم اس اصول کو اچھی طرح جانتے ہیں۔"

وہ عبدالکریم کو ساتھ لیے آگے بڑھ گئے—دور بہت دور انھیں ایک ڈھیر سا پڑا نظر آ رہا تھا—کئی جگہوں سے دھواں اوپر اٹھ رہا تھا—وہاں جلتے ہوئے حصے گرے ہوں گے—وہ دھڑکتے دلوں کے ساتھ آگے بڑھتے رہے—یہاں تک کہ جہاز کے ملبے کے پاس پہنچ گئے—

انسانی جسموں کے ٹکڑے اور جہاز کے ٹکڑے آپس میں ملے جلے پڑے تھے—کہیں کہیں خون کے چھینٹے بھی نظر آ رہے تھے، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کا منظر دیکھتے رہے—ابھی تھوڑی دیر پہلے امیر اور ان کے ساتھی زندہ سلامت تھے—امیر ان سے باتیں کرتے رہے تھے—ان کے آخری جملے بھی انھیں یاد آ رہے تھے—اس دنیا میں کوئی کب ہمیشہ رہا ہے، کیوں بھئی—میرے طیارے کا کیا وقت ہے—اور ان کا طیارہ کس وقت جائے گا—یہ تھے ان کے آخری الفاظ—انھیں کیا معلوم تھا کہ وہ خود بھی دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں—

"ابھی تک کوئی تفتیشی ٹیم نہیں پہنچی—ہمیں اس موقعے سے

ہ اٹھانا چاہیے — محمود، فاروق، فرزانہ — تمہیں معلوم ہونا چاہیے — سب سے زیادہ ضروری کام اس بم کا کوئی ٹکڑا حاصل کرنا ہے، اگر ہم نے ٹکڑا حاصل کر لیا تو ماہرین اس کے ذریعے بہت کچھ معلوم کر سکیں گے۔"

"جی بہتر — ہم کوشش کرتے ہیں۔"

"لیکن تم کسی چیز کو اس کی جگہ سے نہیں ہٹاؤ گے — بم کا ٹکڑا بھی اگر نظر آ جائے تو مجھے آواز دے دینا۔"

"بہت بہتر —" وہ بولے اور پھر چاروں مختلف سمتوں میں قدم اٹھانے لگے — عبدالکریم وہیں کھڑا آنسو بہا رہا تھا — وہ ایک ایک ٹکڑے کو غور سے دیکھتے آگے بڑھتے رہے — جہاز اور لاشوں کے ٹکڑے قریب قریب تین کلومیٹر کے اندر تک بکھرے پڑے تھے — لہذا یہ کام آسان نہیں تھا — اور جلد ختم ہونے والا بھی نہیں تھا — دوسرے وہ چاہتے تھے کہ کسی اور ٹیم کی آمد سے پہلے اپنا کام مکمل کر لیں — اس صورت میں حاصل ہونے والی چیز کو وہ خفیہ رکھ سکتے تھے —

ایک گھنٹا گزر گیا — ان میں سے کسی کو بھی بم کا کوئی ٹکڑا نہ مل سکا — پھر پولیس کی گاڑیوں کے سائرن سنائی دینے لگے — وہ بہت لمبا چکر کاٹ کر دوسری سمتوں سے جائے واردات تک چلی آ رہی تھیں — اور پھر ان گاڑیوں سے تفتیشی ٹیمیں اترنے

لگیں — ان میں ملکی بھی تھیں — غیر ملکی بھی — ایک گاڑی انشارجہ کی بھی آ کر رکی — سب ٹیمیں ادھر ادھر بکھر گئیں — کوئی آلات کی مدد ے ٹکڑوں کا جائزہ لے رہا تھا تو کوئی خوردبین کی مدد سے — وہ ساتھ ساتھ تفاصیل نوٹ بھی کرتے جا رہے تھے — اس کام میں بھی کئی گھنٹے لگ گئے — تب کہیں جا کر لاشوں کے ٹکڑے جمع کرنے کا کام شروع ہوا — تمام لاشیں جمع کی گئیں — ان میں سے ایک کا جسم بھی سلامت نہیں رہا تھا — تمام ان گنت ٹکڑوں میں بٹ گئے تھے — ان ٹکڑوں کو لکڑی کے صندوقوں میں بند کر دیا گیا — ان کو اسی طرح دفن کیا جانا تھا —

"کیا کسی ٹیم کو بم کا کوئی ٹکڑا ملا؟" انھوں نے عبدالکریم سے پوچھا۔

"نہیں — میں نے قاضی سلمان فاروقی سے پوچھا ہے — ان کا کہنا ہے کہ بم کا ایک ٹکڑا بھی نہیں مل سکتا — اس قدر لمبے چوڑے ایریے میں سے ننھے ننھے ٹکڑوں کا ملنا آسان کام بھی تو نہیں ہے۔"

"ہوں — میرا خیال ہے — ہمیں واپس چلنا چاہیے — ہمیں معلوم یہ کرنا ہے کہ طیارے میں بم رکھا کس نے تھا۔"

"تو پھر چلیے — ہم کھیتوں کے راستے ہی واپس چلتے ہیں — گاڑیوں کے راستے تو بہت دیر لگے گی۔" عبدالکریم بولا۔

انھوں نے وہی راستا اختیار کیا اور ایر پورٹ پہنچ گئے۔ وہ تمام لوگ حراست میں تھے۔ جنھوں نے جہاز کی صفائی کی تھی۔ یا جن کا تعلق کسی طرح بھی امیر کے جہاز سے تھا۔ طیارے کی نگرانی کے لیے جو عملہ موجود تھا۔ اسے بھی حراست میں لے لیا گیا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے پہلے انھی لوگوں سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اس کمرے میں داخل ہوئے۔ عبدالکریم کے ساتھ ہونے کی وجہ سے انھیں رکاوٹیں پیش نہیں آ رہی تھیں۔

اندر تیس کے قریب لوگ موجود تھے۔ ان کے اندر داخل ہونے پر انھوں نے فوراً نظریں اٹھائیں۔ ان کی آنکھوں میں رنج و غم اور خوف کے سائے تیر رہے تھے۔ انھوں نے ایک ایک کے چہرے کا جائزہ لیا اور پھر ایک نوجوان کی طرف اشارہ کر کے انھوں نے کہا:

"آپ ہمارے ساتھ آئیے۔"

اس نے پریشان ہو کر ملٹری والوں کی طرف دیکھا:

"چلے جائیں۔ اور ان کے سوالات کے بالکل ٹھیک ٹھیک جواب دیں۔ جھوٹ بولنا آپ کے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔"

"ن۔ نہیں۔ بھلا میں کیوں بولوں گا جھوٹ۔" اس نے کانپ کر کہا:

وہ اسے ایک الگ کمرے میں لے آئے:

"محمود، فاروق اور فرزانہ۔ تم ان لوگوں کو چیک کرو۔ جو اپنے مسافروں کو رخصت کرنے یا مہمانوں کا استقبال کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ انھیں لاؤنج میں روکا گیا ہے۔ کوئی ذرا بھی مشکوک آدمی نظر آئے، اسے اچھی طرح چیک کرنا۔ ہاں عبدالکریم صاحب۔ ان کی آسانی کے لیے ایک ملٹری آفیسر ان کے ساتھ کر دو۔"

"جی بہتر۔" تینوں نے ایک ساتھ کہا اور عبدالکریم کے ساتھ نکل آئے۔ اب انسپکٹر جمشید اس شخص کی طرف مڑے:

"آپ کا نام۔" ان کا لہجہ بہت نرم تھا۔

"عارف شامی۔" اس نے کہا۔

"آپ جانتے ہیں۔ سب لوگوں میں سے میں آپ کو کیوں اٹھا کر لایا ہوں۔"

"ن۔ نہیں۔ میں نہیں جانتا۔" وہ بولا۔

"آپ مجھے ان میں سب سے زیادہ ایمان دار اور پُرخلوص نظر آئے تھے۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے ایک لمبا سانس نکلا۔

"اور میں امید کرتا ہوں۔ آپ مجھے ہر بات صاف صاف بتا دیں گے۔"

"آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

«جہاز کے گرد آپ لوگوں کا پہرہ تھا۔ کیا آپ جہاز کے
چاروں طرف کھڑے تھے۔»

«جی ہاں! چاروں طرف۔»

«کیا یہ بات پہلے سے طے تھی کہ امیر اسی جہاز سے سفر
کریں گے۔»

«جی ہاں! پہلے سے طے تھی۔ اور جس وقت طے کی گئی تھی،
اس وقت سے جہاز کی نگرانی کی جانے لگی تھی۔ ویسے وہ طیارہ
ایک محفوظ ترین گیراج میں رکھا جاتا ہے۔ اور اسی وقت اسے
نکالا جاتا ہے۔ جب امیر کا کہیں جانے کا پروگرام طے ہو جائے۔»

«گویا پروگرام طے ہونے سے پہلے جہاز میں بم نہیں رکھا گیا،
کیوں کہ اس وقت تو بم رکھنے والے کو معلوم ہی نہیں تھا کہ امیر
کب سفر کریں گے۔»

«ہاں جناب! یہی بات ہے۔»

«اور جس وقت سے پروگرام طے ہوا۔ طیارہ نگرانی میں رکھا
گیا۔»

«بالکل ٹھیک۔»

«نگرانی کرنے والے بدلتے رہے۔ یا مستقل طور پر آپ لوگ ہی
رہے۔»

«بدلتے رہے۔ ان کا ریکارڈ ہمارے انچارج کے پاس موجود

ہے۔ ہر آٹھ گھنٹے کے بعد عملہ بدل جاتا ہے۔»

«میں سمجھ گیا۔ میں ان تینوں گروپوں سے بات کروں گا۔ آپ
صرف اتنا بتا دیں۔ جہاز کے اندر کون کون داخل ہوا تھا۔»

«جہاز کے اندر۔ جہاز کا کپتان، نائب کپتان، صفائی کا عملہ
اور بس ان کے علاوہ کوئی اندر نہیں گیا۔»

«اندر جانے سے پہلے ان کی تلاشی لی گئی تھی۔»

«صرف صفائی کے عملے کی تلاشی لی گئی تھی۔ کیوں کہ کپتان
اور نائب کپتان کو تو خود جہاز اڑانا تھا۔ وہ تو کوئی غلط چیز جہاز
میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ صفائی کے عملے کی بہت اچھی طرح تلاشی
لی گئی تھی۔»

«اس کا مطلب ہے۔ آپ کے گروپ کے ہوتے ہوئے کم از
کم بم نہیں رکھا گیا۔»

«میں تو یہی کہوں گا۔» اس نے کہا۔

«کیا نگرانی کرنے والوں میں سے کوئی کسی وقت جہاز کے اندر
گیا۔»

«جی نہیں۔ نگرانی کرنے والوں کو اندر جانے کی اجازت نہیں
ہے۔» وہ بولا۔

«اس کا مطلب ہے۔ اب مجھے دوسرے گروپ سے بات کرنا
ہو گی۔»

"آپ کی مرضی۔ یہ آپ کا کام ہے۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"آپ کوئی کام کی بات نہیں بتا سکے۔ اس کا مجھے افسوس ہے۔"

"میرا خیال ہے۔ میں آپ کو ایک عدد کام کی بات بتا سکتا ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"بھئی واہ! اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے۔ جلدی بتائیے۔"

"شہر کا ایک مشہور کاروباری آدمی ملاقاتیوں کی گیلری میں دوربین لیے کھڑا تھا، اور اس کی نظریں برابر اس جہاز پر لگی رہی تھیں۔ یہاں تک کہ جب جہاز نے پرواز شروع کی اور اوپر اٹھنے لگا تو بھی اس نے نظریں اس پر سے نہیں ہٹائیں۔ یہ بات مجھے اس لیے عجیب لگی کہ میں اس شخص کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں، وہ بہت زیادہ مصروف آدمی ہے، کاروبار سے اسے فرصت نہیں، ان حالات میں آخر وہ امیر کے طیارے پر کیوں وقت ضائع کر رہا تھا۔ پھر جونہی دھماکا ہوا۔ وہ گیلری سے پلٹ گیا۔ اس وقت یہ بات مجھے محسوس نہیں ہوئی تھی۔ لیکن جب حادثہ ہونے کی اطلاع ملی تو میرا ذہن فوراً اس کی طرف گیا۔"

"ہو سکتا ہے یہ کام کی بات ہو، لیکن یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ شخص کیا کاروبار کرتا ہے؟"

"کھلونوں کا سب سے بڑا بیوپاری ہے۔ دوسرے ملکوں سے جدید ترین کھلونے۔ جو قیمتی ترین بھی ہوتے ہیں۔ ملک میں لاتا ہے۔ اور بڑی بڑی دکانوں پر پہنچاتا ہے۔"

"ہوں! اس کا نام۔"

"سیٹھ جالوت رومی۔"

"شکریہ! میں اسے بھی چیک کروں گا۔ لیکن ایک بات تو آپ بھی تسلیم کریں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی۔ وہ کیا؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ کہ سیٹھ جالوت رومی۔ جہاز کے پاس نہیں آ سکتا تھا۔ اور جہاز کے اندر داخل ہونے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"یہ بات تو میں نے کہی بھی نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم یہ بات ضرور معلوم کریں گے کہ سیٹھ صاحب امیر کے جہاز میں اس قدر دلچسپی کیوں لے رہے تھے۔ ویسے آپ اسے اس قدر اچھی طرح کیسے جانتے ہیں۔"

"وہ اکثر جہازوں سے آتا جاتا رہتا ہے۔ بہت مشہور آدمی ہے، ایئر پورٹ کا قریباً سارا ہی عملہ اسے جانتا ہے۔ لیکن ملاقاتیوں کی گیلری میں وہ پہلی بار نظر آیا تھا۔"

"اس کا پتا۔"

"ایک پوری آبادی اس کے نام کی شہر میں موجود ہے۔ جالوت

کالونی ۔" اس نے بتایا۔

"شکریہ ۔ آپ جا سکتے ہیں ۔ میں اب دوسرے دو گروپوں کے آدمیوں کو چیک کروں گا۔"

عارف شامی اٹھ گیا، انھوں نے عبدالکریم کے ذریعے دوسرے گروپوں سے بھی ملاقات کی ۔ لیکن ان سے بھی یہی معلوم ہوا کہ جہاز کے اندر صفائی کرنے والے ... عملے کے سوا کوئی داخل نہیں ہوا۔ اب ان کا ذہن صفائی کرنے والوں کی طرف گیا ۔ انھیں چیک کرنا بھی ضروری تھا، کیوں کہ تلاشی لینے والوں سے تلاشی لینے میں چوک ہو سکتی تھی ۔

اب صفائی کرنے والے ان کے سامنے موجود تھے اور وہ ایک ایک کے چہرے کو بغور دیکھ رہے تھے ۔ آخر ایک کی طرف انھوں نے اشارہ کیا:

"اسے اندر لے آئیں۔"

اس شخص کا رنگ اڑتا نظر آیا ۔ الگ کمرے میں ان کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے وہ بری طرح کانپ رہا تھا؛

"تو بم تم نے جہاز میں رکھا تھا۔"

"نن ۔ نہیں جناب ۔ بالکل نہیں۔"

"پھر تم اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟"

"آپ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی مجھ پر گھبراہٹ کا دورہ سا

پڑ گیا ہے۔" اس نے کہا۔

"نام کیا ہے تمھارا ۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جارج ۔" اس نے کہا۔

"تم مسلمان نہیں ہو۔"

"نہیں جناب ۔ میں عیسائی ہوں۔" وہ بولا۔

"آخری مرتبہ تم صفائی کرنے کب گئے تھے۔"

"میں اور میرے ساتھی جہاز روانہ ہونے سے دو گھنٹے پہلے صفائی کرنے کے لیے گئے تھے۔"

"تم لوگوں کے ہاتھوں میں بالٹیاں بھی ہوں گی۔"

"جی ہاں بالکل۔"

"اور ان میں سے کسی بالٹی میں ایک بم بھی تھا۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سرکار ۔ بم ہمارے پاس کہاں سے آئے۔"

"تم یوں نہیں اگلو گے ۔ تم پر سختی کرنا ہو گی ۔ عبدالکریم صاحب، اسے کمرۂ امتحان میں بھجوا دیں ۔ بعد میں چیک کریں گے۔"

"بہت بہتر!" عبدالکریم نے کہا اور فوجیوں کو اشارہ کیا ۔ وہ جارج کو پکڑ کر وہاں سے نکل گئے۔

"ابھی تک میں یہ معلوم نہیں کر سکا کہ جہاز میں بم کس طرح رکھا گیا اور کس نے رکھا ۔ ارے ہاں ۔ میں جہاز کے کپتان اور اس کے

عملے کو تو بھول ہی گیا۔"

"بھلا ان میں سے کوئی بم کس طرح رکھ سکتا تھا۔ انھیں تو خود جہاز میں سفر کرنا تھا۔" عبدالکریم نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ ناممکن بھی نہیں۔ کیا ہم لوگوں میں ایسے لوگ نہیں پائے جاتے۔ جو کسی مقصد کے لیے جان دینے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے، ان میں سے کسی نے اپنی جان کا سودا کیا ہو۔ اور اس نے اپنے گھر والوں کو ایک بڑی رقم دلوائی ہو۔"

"یہ بات بہت عجیب لگتی ہے۔ امیر کے ساتھ ان کے تمام ساتھی اور جہاز کا تمام عملہ ختم ہو چکا ہے۔ آپ ان سے کس طرح پوچھ گچھ کر سکتے ہیں؟"

"میرا مقصد ان سے پوچھ گچھ کرنا تھا بھی نہیں۔ میں تو ان کے گھروں کو چیک کروں گا۔ ان کے بنک اکاؤنٹوں کو چیک کروں گا۔"

"اوہ اچھا۔"

"آیئے ہم چلیں۔ یہ کام آسان نہیں ہو گا۔"

جہاز کے عملے کے ایک ایک آدمی کا اکاؤنٹ چیک کیا گیا اور پھر انھیں ایک حیرت انگیز بات معلوم ہوئی۔ جہاز کے کپتان کے بنک اکاؤنٹ میں دو کروڑ روپے کی رقم جمع کرائی گئی تھی اور اس رقم کو اس کے گھر والے آسانی سے نکلوا سکتے تھے۔ کیوں کہ اکاؤنٹ مشترکہ تھا اور اس کی بیوی کے نام سے بھی نکل سکتا تھا۔

کھلونے والا

محمود، فاروق اور فرزانہ ملاقاتیوں کو دیکھتے پھر رہے تھے۔ وہ ایک ایک چہرہ پڑھ رہے تھے۔ ملٹری آفیسر ان کے کام کو حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس سے رہا نہ گیا:

"آخر آپ لوگ اس طرح کیا معلوم کر سکیں گے۔"

"آپ کو معلوم نہیں سر۔ چہروں پر بہت کچھ لکھا ہوتا ہے۔"

"اچھا۔ کمال ہے۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ویسے آپ کے خیال میں۔ طیارے میں بم کون رکھ سکتا تھا۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"نگرانی کرنے والوں میں سے کوئی۔" اس نے کہا۔

"پھر ہمیں ان مسافروں کو چیک کرنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ تو آپ اپنے والد سے پوچھیے۔"

"ہم ان سے ایسے سوالات نہیں کر سکتے۔ خود ہی غور کر کے

جواب تلاش کرنا پڑتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"آپ کی آپ جانیں۔ میں کیا کہ سکتا ہوں۔"

"میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔ اس طرح سب لوگوں کو چیک کرنا قریب قریب ناممکن ہے۔ کیونکہ نہ ایک کو اپنے سامنے سے گزارا جائے۔ یہ باہر میدان میں جمع ہوتے چلے جائیں گے۔"

"اگر آپ یہ کرنا چاہتے ہیں تو میں ابھی انتظام کیے دیتا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

وہ چلا گیا۔ تینوں ادھر ادھر دیکھتے رہے۔

"اس سے بہتر تھا۔ ہمیں نگرانی کرنے والوں پر مقرر کر دیا جاتا اور ابا جان خود ادھر آ جاتے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"جان کیوں نکلی جا رہی ہے۔"

"ان ہزاروں آدمیوں کو چیک کرنا ہے۔ جان بے چاری نکلے نہ تو کیا کرے۔" فاروق بولا۔

"ان پر ایک ایک نظر ڈالنا ہو گی۔ اور بس۔" فرزانہ نے کندھے اچکائے۔

"اچھے بھلے اپنے وطن جا رہے تھے۔ بلکہ اس وقت تک پہنچ بھی چکے ہوتے، اگر یہ حادثہ نہ ہو جاتا۔"

"بھئی۔ مظلوم امیر کے بارے میں غور کرو۔" محمود نے جھنجھلا کر

کہا۔

"اچھی بات ہے۔ اگر تم کہتے ہو تو کر لیتا ہوں غور۔"

جلد ہی ملٹری آفیسر آتا نظر آیا:

"آئیے بھئی۔"

وہ انھیں ایک دروازے پر لایا:

"سب لوگ باری باری یہاں سے گزریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ شروع کریں۔"

لوگ ایک ایک کر کے گزرنے لگے۔ تینوں ہر آدمی کا چہرہ پڑھتے اور وہ آدمی آگے بڑھ جاتا۔ لوگوں کی لائن تیزی سے آگے بڑھتی رہی۔ اچانک ایک آدمی پر فرزانہ کی نظریں جم کر رہ گئیں۔ پھر فاروق اور محمود بھی اسے دیکھ کر چونکے۔ وہ آگے جانے لگا:

"اے مسٹر۔ آپ ٹھہریں۔"

"جی۔ کیا کہا۔ میں ٹھہروں۔"

"ہاں! انھیں الگ کر دیجیے جناب۔" محمود نے ملٹری آفیسر کی طرف دیکھا۔

اسے اشارے سے ایک طرف کر لیا گیا۔ لائن پھر شروع ہو گئی۔ ایک ایک کر کے تمام لوگ گزر گئے۔ اس ایک کے علاوہ کسی کے چہرے پر انھیں کوئی خاص بات نظر نہ آ سکی تھی۔

"اب انھیں ایک الگ کمرے میں لے چلیے۔"

الگ کمرے میں تینوں کی نظریں اس پر جم گئیں — منہ سے کچھ نہ بولے — ملٹری آفیسر حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف دیکھ رہا تھا:

"آخر آپ مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہیں — میں نے کیا کیا ہے۔"

"اس عمر میں آپ کھلونوں سے کھیلتے ہیں؟" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

وہ چونک کر اپنے ہاتھ میں پکڑے بھالو کو دیکھنے لگا:

"یہ کھلونا — یہ تو میرا بچہ گھر سے لے آیا تھا — اسے جہاز پر سوار کرانے کے لیے آیا تھا میں۔" اس نے کہا۔

"تو پھر — کہاں ہے آپ کا بچہ؟"

"وہ — وہ تو جا بھی چکا۔"

"اور کھلونا آپ کے ہاتھ میں رہ گیا؟"

"ہاں! رخصت کے وقت وہ بھالو ساتھ لے جانا بھول گیا۔ اسے کھلونوں سے بہت پیار ہے۔"

"سیلوں سے چلنے والا کھلونا ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"جی ہاں! آپ نے اگر مجھے اس کھلونے کی وجہ سے روکا ہے — تو فضول روکا ہے۔"

"ذرا دکھائیں تو —" یہ کہہ کر محمود نے کھلونا لے لیا — اسے الٹ پلٹ کر دیکھا — اس میں لگا ہوا بٹن دبایا — لیکن کھلونا

نہ چلا —

"شاید اس میں سیل نہیں ہیں —" یہ کہہ کر محمود نے اس کا نچلا حصہ کھول ڈالا اور پھر یہ دیکھ کر چونک اٹھا کہ اس میں دو سیل موجود تھے —

"سیل تو اس میں ہیں — لیکن شاید سیل ختم ہو چکے ہیں — فاروق تمہاری جیب میں پنسل ٹارچ تو ہو گی؟"

"ہاں! دعا دو میری جیب کو۔" فاروق نے مسکرا کر کہا اور جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

"جیب کو دعا دلوا کر کیا کرو گے — جیب کوئی بیمار ہوئی جا رہی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"یہ لو ٹارچ۔" اس نے جیب سے ہاتھ نکالتے ہوئے کہا

"دھت تیرے — اس جیب کو دعا دلوا رہے تھے — اور یہ ٹارچ نکالی ہے تم نے —" محمود جھلا اٹھا۔ فاروق نے چونک کر دیکھا تو اس کے ہاتھ میں لائٹر تھا۔

"خیر کوئی بات نہیں — یہ بھی تو دیکھو — پنسل ٹارچ کی بجائے لائٹر ہی نکلا ہے — کوئی توپ تو نہیں نکلی؟"

"توپ اور تمہاری جیب سے نکلے گی۔" فرزانہ نے آنکھیں نکالیں۔

"ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔" فاروق مسکرایا، اس وقت تک وہ پھر جیب میں ہاتھ ڈال چکا تھا، جلد ہی ہاتھ باہر نکلا — تو اس

میں واقعی ایک ننھی سی توپ تھی:

"اب کیا خیال ہے؟"

"یہ کہ تم وقت ضائع کرنے پر تل گئے ہو — حالانکہ تلنے کے لیے اور بھی بہت سی چیزیں ہو سکتی ہیں۔" فرزانہ جل گئی۔

"خیر — میرا کیا ہے — میں ٹارچ نکالے دیتا ہوں۔"

اس بار ٹارچ نکل آئی — محمود نے اس کے سیل نکال کر کھلونے میں ڈالے اور کھلونے کا بٹن دبا دیا — لیکن وہ اب بھی نہ چلا۔

"شاید اس میں کوئی خرابی ہے — یہ لیجیے —" یہ کہہ کر اس نے سیل نکال لیے اور کھلونا واپس دے دیا۔

"اب میں جا سکتا ہوں۔"

"نہیں — صرف اتنا اور بتا دیں — آپ کے بیٹے کا نام کیا ہے — جو جہاز سے گیا ہے — اور جہاز کا نمبر بھی بتا دیں۔"

"جی — کیا مطلب" وہ زور سے چونکا۔

"اس میں چونکنے والی تو کوئی بات نہیں۔"

"وہ — میں —" وہ اٹک کر رہ گیا۔

"بیٹے کا نام بھول گئے ہیں کیا —" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نن — نہیں — بھلا میں اپنے بیٹے کا نام کس طرح بھول

سکتا ہوں۔"

"تو پھر بتا دیجیے نا —"

"میرے بیٹے کا نام کلیم احمد ہے۔"

"اور آپ کا اپنا نام۔"

"میں ریاض قدیر ہوں۔"

"کون سے جہاز سے گیا ہے آپ کا بیٹا۔"

"میں جہاز کا نمبر نوٹ نہیں کر سکا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے — خیر — جہاز کس وقت گیا ہے۔"

"امیر کے طیارے سے چند منٹ پہلے۔"

"کس شہر یا ملک —"

"شہر قیروان —" اس نے کہا۔

اب وہ ملٹری آفیسر کی طرف مڑے:

"ان کے بیان کی تصدیق کرنا ہو گی۔"

"اچھی بات ہے — میں ابھی آیا۔" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

"آپ گھر سے ایسا کھلونا کیوں اٹھا لائے جس میں سیل تک نہیں تھے۔"

"جلدی میں ایسا ہو گیا۔" ریاض قدیر نے جواب دیا۔

"آپ نے بیٹے کو کسی کے ساتھ بھیجا ہے۔"

"جی نہیں — میرا بیٹا سمجھدار ہے۔" وہ بولا۔

اسی وقت ملٹری آفیسر آتا نظر آیا۔

"ان کا بیان بالکل ٹھیک ہے۔ تصدیق ہو گئی ہے۔"

"حیرت ہے۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"تو آپ کا خیال یہ تھا کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! یہی خیال تھا۔ لیکن غلط نکلا۔ آپ جا سکتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ!" یہ کہہ کر وہ مڑنے لگا۔

"ایک منٹ جناب۔" ایسے میں فرزانہ بول اٹھی۔

"اب کیا ہے؟" اس نے قدرے جھلا کر کہا۔

"آپ نے اپنے گھر کا پتا نہیں لکھوایا۔ مہربانی فرما کر لکھوا دیں اور فون نمبر بھی۔"

"اس کی کیا ضرورت پڑ گئی۔" اس کا لہجہ ناخوش گوار ہو گیا۔

"ہو سکتا ہے، ہمیں پھر بھی کچھ پوچھنا پڑے۔"

"ٹھیک ہے۔ لکھ لیں۔ ۹۱۴ مسلم روڈ۔ فون نمبر ۹۴۹۷۶۹۹ ہے۔"

"آپ کو ایک بار پھر زحمت کرنا ہو گی۔"

"کیا مطلب؟"

"فون کر کے معلوم کر لیں۔ یہ نمبر کس کا ہے۔"

"اچھا!" ملٹری آفیسر نے بھی اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

اور چلا گیا۔ دو منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی۔

"رہائش کی بھی تصدیق ہو گئی۔"

"میرا خیال ہے۔ اب تو آپ مجھے روکنے کی ضرورت محسوس نہیں کر رہے ہوں گے۔"

"ضرورت تو خیر اب بھی محسوس ہو رہی ہے۔ کیونکہ آپ کا یہ کھلونا ہمیں بدستور الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔ ویسے کیا آپ کھلونا ہمیں نہیں دے سکتے۔" محمود نے سرسری انداز میں کہا۔

"نہیں جناب! یہ میرے بیٹے کا پسندیدہ کھلونا ہے، واپس آنے پر جب وہ اس کو نہیں پائے گا تو میرا ناک میں دم کر دے گا۔"

"ہوں۔ لیکن جناب۔ آپ یہاں سے اس صورت میں جا سکتے ہیں۔ جب یہ کھلونا جمع کرا دیں۔ آپ کو یہ ایک دن کے بعد واپس مل جائے گا۔"

"اگر یہ بات ہے تو رکھ لیں اور مجھے اس کی رسید دے دیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔" فاروق بولا اور ملٹری آفیسر کی طرف مڑا۔

"آپ انھیں رسید دے دیں۔"

"آخر آپ اس کھلونے کو رکھ کر کیا کریں گے۔"

"بس۔ آپ رسید لکھوا دیں۔"

اس نے منہ بنا کر رسید لکھ دی۔ کھلونا انھوں نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ ریاض قدیر بڑے بڑے منہ بناتا چلا گیا۔

"اب آپ اس کھلونے کو اپنے ملک کے سب سے اچھے سائنس دان کو بھجوا دیں۔ تاکہ وہ اس کا جائزہ لے سکیں۔"

"مجھے تو اس میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔"

"آپ بھجوا تو دیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی بھجوا رہا ہوں۔ چند گھنٹے تک رپورٹ مل جائے گی۔"

یہ کہہ کر وہ ایک بار پھر چلا گیا۔ جلد ہی واپس لوٹا۔ انھوں نے اپنا کام پھر شروع کر دیا۔ اس کام میں کئی گھنٹے لگ گئے۔ فارغ ہوئے تو بہت تھک گئے تھے۔ کسی اور شخص سے انھوں نے سوالات کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی:

"اب ذرا کھلونے کی رپورٹ معلوم ہو جائے۔"

"ہم۔ میں فون کرتا ہوں۔" ملٹری آفیسر نے کہا اور فون کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ انھوں نے بھی قدم اٹھا دیے۔ ملٹری آفیسر نے سائنس دان کے نمبر ملائے اور بات کرنے لگا۔ اچانک انھوں نے اس کی آنکھیں پھیلتے محسوس کیں۔ اور جب اس نے ریسیور رکھا تو حیرت کا بت بن چکا تھا۔

"آپ۔ آپ لوگ عجیب ہیں۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"کیوں۔ کیا بات ہو گئی۔"

"وہ کھلونا۔ کھلونا نہیں ہے۔"

"وہ کھلونا کھلونا نہیں ہے۔ تو پھر کیا پچ پچ کا بھالو ہے۔"

دان مسکرایا۔

"وہ ایک ریموٹ کنٹرول آلہ ہے۔ بہت طاقت ور آلہ۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا اور پھر ان کی آنکھیں ت سے پھیلتی چلی گئیں۔

"ہمیں ابھی اور اسی وقت ریاض قدیر تک پہنچنا ہے۔" محمود وش انداز میں بولا۔

"آیئے میرے ساتھ۔"

وہ دوڑتے ہوئے باہر نکلے اور پھر جیپ میں سوار ہو کر ہو گئے۔

"افسوس! ہم سے بڑی غلطی ہوئی۔ کھلونے کی رپورٹ ملنے تک ے روک لینا چاہیے۔"

"آپ تو بہت اکتا گئے تھے۔" محمود بولا۔

"ہاں! میں غلطی پر تھا۔ مجھے بہت افسوس ہے۔"

"اب وہ مشکل ہی اپنے گھر ملے گا۔"

"ایسا ہی نظر آتا ہے۔"

وہ ۹۱۴ مسلم روڈ پہنچے۔ گھر کا بند دروازہ ان کا منہ چڑا

رہا تھا۔ اس پر بڑا سا تالا لٹک رہا تھا:

"اب تلاش کرائیے اسے شہر میں۔ اس حادثہ کا وہ ایک
بہت ضروری مجرم ہے۔"

"ہم۔ میں کوشش کرتا ہوں۔"

"ویسے کیا ہم اس مکان میں کسی طرح داخل ہو سکتے ہیں"

"وارنٹ لانا ہوں گے۔"

"مہربانی فرما کر منگا لیجیے۔ شاید ہمیں اندر کوئی ایسی چیز مل
جائے۔ جس کی مدد سے ریاض قدیر کو تلاش کرنا آسان ہو جائے"
فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"اب میں آپ لوگوں کی مخالفت نہیں کروں گا۔ جو آپ کہیں
گے۔ وہی کروں گا۔ میں ابھی وارنٹ کا انتظام کرتا ہوں۔" اس
نے کہا۔

"اور اندر داخل ہونے کا بھی۔ سیڑھی کی ضرورت پڑے گی۔
یا پھر تالا توڑا جائے۔"

"فکر نہ کریں۔ سب ہو جاتا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ سیڑھی کے ذریعے اندر داخل ہوئے۔ اور
پھر دھک سے رہ گئے۔ اندر ریاض قدیر کی لاش پڑی تھی۔

کون سیٹھ

انسپکٹر جمشید اور عبدالکریم کپتان کے گھر پہنچے۔ گھنٹی کا بٹن دبایا
گیا۔ جلد ہی ایک عورت کی آواز سنائی دی:

"کون ہے۔"

"امیر کا بیٹا عبدالکریم۔ میرے ساتھ ایک مہمان بھی ہیں۔"

"آپ کس لیے آئے ہیں۔"

"آپ کو حادثے کی اطلاع تو مل چکی ہو گی۔"

"ہاں! مل چکی ہے۔ پھر" اس نے کہا۔

"آپ کا اور آپ کے مرحوم شوہر کا بنک اکاؤنٹ مشترک ہے،
یعنی آپ میں سے جو چاہے رقم نکلوا سکتا ہے۔"

"جی ہاں! ایسا ہی ہے۔"

"آپ کے اس اکاؤنٹ میں قریب قریب کتنے پیسے ہوں
گے۔"

"آپ یہ بات کیوں پوچھنا چاہتے ہیں۔" لہجہ ناخوش گوار ہو گیا۔

"ایک وجہ ہے۔ بس آپ بتا دیں۔" انسپکٹر جمشید نرم آواز میں بولے۔

"ہمارے ملک میں انکم ٹیکس کا محکمہ نہیں ہے۔ اسلام میں انکم ٹیکس ہوتا ہی نہیں۔ اسلام میں تو صرف اڑھائی فیصد زکوٰۃ ہے۔ اس لیے بھلا مجھے کیا خوف ہو سکتا ہے۔ ہمارے بنک میں پچاس ہزار روپے تو ضرور ہوں گے۔"

"تب پھر آپ کی معلومات ناقص ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"بنک منیجر کو فون کریں اور اس سے پوچھیں۔ بنک میں کتنی رقم ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ کیا آپ لوگ اس حادثے کی تفتیش کر رہے ہیں؟"

"آپ ٹھیک سمجھیں۔"

"مجھے افسوس ہے۔ میں آپ کو بیٹھنے کے لیے نہیں کہہ سکتی۔ میرے شوہر کا یہی حکم تھا کہ کسی اجنبی کو میری عدم موجودگی میں گھر میں داخل نہیں کرنا۔ اور ان کی موت کے بعد بھی میں یہی کروں گی۔"

"یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ آپ ہماری فکر نہ کریں۔ ہم کھڑے رہنے کے عادی ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اچھا۔ میں فون کر کے ابھی آتی ہوں۔"

اس کے قدموں کی آواز سنائی دی۔

"میں غلط کہہ گیا کہ ہم کھڑے رہنے کے عادی ہیں۔ بھلا میں آپ کے بارے میں یہ بات کس طرح کہہ سکتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کوئی بات نہیں۔ میں بھی عادی ہی ہوں۔" اس نے اداس لہجے میں کہا۔

"مجھے افسوس ہے۔ آپ کے والد حادثے کا شکار ہو گئے ہیں اور میں آپ کو اپنے ساتھ لیے پھر رہا ہوں۔"

"لیکن لیے تو پھر رہے ہیں انھی کے سلسلے میں۔" اس نے کہا۔

تین منٹ بعد قدموں کی آواز پھر سنائی دی۔

"ہم۔ میں اس طرف موجود ہوں۔ بنک منیجر نے ایک حیرت انگیز خبر سنائی ہے۔ یہ کہ ہمارے بنک میں دو کروڑ روپے جمع کرائے گئے ہیں۔"

"کیا آپ کے شوہر نے؟"

"نہیں جناب۔ بنک منیجر کا کہنا ہے کہ یہ کام بذریعہ ڈرافٹ کیا گیا ہے۔ ڈرافٹ جمع کرانے والے کا نام ہم نہیں جانتے۔"

"آپ کو معلوم ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے۔" انسپکٹر جمشید نے

خشک لہجے میں کہا۔

"نہیں — جی نہیں — لیکن کچھ کچھ سمجھ رہی ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں — یہی نا کہ میرے شوہر نے کسی سے دو کروڑ روپے لے کر بم جہاز میں خود رکھا تھا — اور انھوں نے دو کروڑ کے لیے اپنی جان دینا منظور کر لیا تھا — لیکن آپ خود سوچیے — کوئی شخص دو کروڑ تو کیا — دس کروڑ میں بھی موت کو گلے لگانے پر تیار نہیں ہو سکتا۔"

"ہو سکتا ہے — ان کی زندگی خوش گوار نہ ہو — وہ اس زندگی سے تنگ آتے ہوتے ہوں — یا انھیں کوئی ایسی بیماری ہو — جس کی وجہ سے انھوں نے موت کو گلے لگا لیا اور دو کروڑ روپے آپ کے لیے وصول کر گئے۔"

"نہیں جناب — ایسا نہیں ہو سکتا — آپ ان کے بارے میں معلوم کر لیں — وہ اپنے ملک کے وفادار ترین آدمی تھے — وطن کے لیے کٹ مرنا ان کے لیے بہت آسان تھا — لیکن وطن کے خلاف کسی سازش کا حصہ بننا ان کے لیے نا ممکن تھا۔"

"ہم معلومات حاصل کریں گے — آپ بنک سے فی الحال یہ رقم نکلوا نہیں سکیں گی۔"

"مجھے ضرورت بھی نہیں ہے اس رقم کی۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"شکریہ!" انھوں نے کہا۔

دونوں واپس پلٹے —

"اب ہم سیٹھ جالوت رومی سے ملیں گے — کیا خیال ہے — وہ مسافروں میں ہی گھرا ہو گا — یا اپنے گھر پہنچ گیا ہو گا۔"

"ایر پورٹ پر مسافروں کو حادثہ کی خبر ملنے کے فوراً بعد روکا تھا — لیکن اگر اس سازش میں سیٹھ جالوت رومی شامل ہے — تب وہ فوری طور پر نکل گیا ہو گا — اس لیے ہم پہلے انھیں گھر پر دیکھ لیتے ہیں۔" عبدالکریم نے کہا۔

"تو پھر چلیے — گھر تو آپ کو معلوم ہی ہو گا۔"

"ہاں بالکل — چلیے۔"

آدھ گھنٹے کے سفر کے بعد وہ ایک محل کے سامنے کھڑے تھے —

"حیرت ہے — آپ کے ملک میں بھی اس قدر شان دار عمارات بننے لگیں — لیکن کیا اسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"جی نہیں — اسلام نے اس کی قطعاً اجازت نہیں دی — لیکن یہ ایک شخص کا ذاتی فعل ہے — اسلام اس سے منع تو کرتا ہے، لیکن قانوناً یہ جرم نہیں ہے۔"

"جب کہ میرا خیال ہے — یہ چیز قانوناً بھی جرم ہونی چاہیے۔"

"ہم اس پر بھی غور کریں گے۔" عبدالکریم نے فوراً کہا۔

"آپ پریشان نظر نہیں آ رہے — جب کہ آپ کے والد کے
کو چند گھنٹے گزرے ہوں گے۔"

"ہم پکے مسلمان ہیں — اللہ کی مرضی پر راضی ہیں — اور پھر
موت تو ایک دن آ کر رہے گی۔"

"امیر کی وفات کے بعد — کیا آپ کو امیر بنایا جا سکتا ہے

"نہیں! امیر اس سلسلے میں پہلے ہی وصیت کر چکے ہیں کہ
کی موت کی صورت میں ان کی اولاد کو امیر ہرگز نہیں بنایا جا
گا — بلکہ شوریٰ میں موجود لوگ اتفاق کرنے کے بعد جسے امیر بن
پسند کریں — وہی امیر بنے گا — آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں
اوہ سمجھا — تو آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ میں نے امیر بننے
چکر میں والد صاحب کو موت کے منہ میں ڈال دیا — ایسی کو
بات نہیں جناب — میں تو ہرگز ہرگز امیر نہیں بن سکتا۔"

"مجھے افسوس ہے — کہ یہ بات سوچی — آپ محسوس نہ کریں۔"

"چلیے ٹھیک ہے — نہیں کروں گا — وہ اداس انداز میں بو

اسی وقت محل کا بڑا دروازہ کھلا — اور ایک باوردی ملازم
باہر آ کر انھیں سلام کیا:

"سیٹھ صاحب ہیں۔"

"جی ہاں!"

"انھیں اطلاع دو۔" عبدالکریم نے کہا۔

"جی بہتر!" ملازم نے کہا اور دروازہ بند کر کے چلا گیا۔

پھر جلد ہی تیز قدموں کی آواز سنائی دی — اور ایک بھاری
بھر کم آدمی نظر آیا:

"خوش آمدید — زہے نصیب — تشریف لائیے۔"

ڈرائنگ روم پر بھی بے تحاشا دولت صرف کی گئی تھی:

"امیر کے طیارے کے بارے میں تو آپ کو معلوم ہی ہو گا۔"

"جی ہاں! بھلا کیسے معلوم نہیں ہو گا۔" اس نے غمگین لہجے
میں کہا۔

"آپ اس حادثے کے وقت کہاں تھے۔"

"اتفاق سے میں ایئرپورٹ پر تھا — ایک دوست کو رخصت
کرنے گیا تھا۔"

"وہاں آپ کس جگہ تھے۔"

"استقبال کرنے والوں کی گیلری میں۔" اس نے کہا۔

"اور آپ کے ہاتھ میں کیا چیز تھی۔"

"ایک عدد دوربین — اس کے ذریعے جہاز صاف نظر آتا ہے،
اور جہاز کی سیڑھی پر چڑھتے لوگ بھی صاف نظر آتے ہیں۔"

"ہوں! آپ اپنے کسی دوست کو رخصت کرنے گئے تھے — یہی
بات بتائی ہے نا آپ نے؟"

"ہاں! بالکل۔" وہ بولا۔

"دوست کا جہاز کس وقت گیا۔"

"امیر کے طیارے سے چند منٹ پہلے۔"

"شکریہ — دوست کا نام، پتا اور فون نمبر بتائیں گے آپ۔"

"ضرور کیوں نہیں — لیکن آپ یہ سوالات کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"ہم یہ جاننے کی کوشش میں ہیں کہ طیارہ کس طرح تباہ ہوا — اس سازش میں کن لوگوں کا ہاتھ ہے۔"

"تو آپ مجھ سے سوالات کیوں کر رہے ہیں — میرا کیا تعلق۔"

"بات تعلق کی نہیں — تفتیش کی ہے — آپ میرے سوال کا جواب دیں۔"

"دوست کا نام سلیمان طارق ہے — ۹۰۴ ریاض کالونی، فون نمبر ۴۶۷۲۰۳ ہے۔"

"شکریہ! امیر کا طیارہ تباہ ہونے کے بعد آپ وہاں سے چلے تھے۔"

"جی نہیں — ان کا طیارہ جونہی نظروں سے اوجھل ہوا — میں واپس آ گیا۔"

"لیکن کیوں — آپ تو اپنے دوست کو رخصت کرنے گئے تھے۔ پھر آپ کیوں رُکے رہے۔"

"بس! میں نے سوچا — امیر کو بھی رخصت ہوتے دیکھ لوں۔"

"تو آپ دوربین کے ذریعے امیر کے طیارے کو دیکھ رہے تھے۔"

"ہاں جناب — یہی بات ہے۔"

"ہم آپ کے اس محل کی تلاشی لینا چاہتے ہیں — آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں — میرے محل کی تلاشی — بھلا اس کی کیا ضرورت ہے۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"بس ایسے ہی — اب ہمیں تفتیش تو کرنا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ کی مرضی — ضرور دیکھ لیں — لیکن بہتر رہے گا — آپ پہلے وارنٹ لے آئیں۔"

"اوہ ہاں — ضرور — کیوں نہیں۔"

وارنٹ حاصل کرنے میں چند منٹ لگے — پھر وہ اندر داخل ہوئے — انھوں نے محل کے ایک ایک حصے کو دیکھا — لیکن کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔

"شکریہ جناب — ہم نے آپ کو بہت زحمت دی۔"

وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" عبدالکریم بولا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا — کہ ہوا ہے یا نہیں — میرا خیال ہے — رات کے وقت اس کے محل کا اندر سے جائزہ لوں۔"

"اس سے کیا ہو گا۔"

"دن میں جو کام دوسروں کے سامنے نہیں کر سکا — وہ کروں گا۔"

"لیکن یہ غیر قانونی حرکت ہو گی۔"

"میں اس کام میں آپ کو ساتھ نہیں رکھوں گا — اگر پکڑا گیا تو آپ کے قانون کے مطابق سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں گا۔"

"یہ — یہ آپ کیا کر رہے ہیں — آپ ہمارے لیے تفتیش کر رہے ہیں اور ہم آپ کو سزا دیں گے۔" عبدالکریم کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تب پھر آپ ہی بتائیں — میں پوشیدہ طور پر تلاشی لینا چاہتا ہوں، آپ کا قانون اس کی اجازت نہیں دیتا — بات کیسے بن سکتی ہے۔"

"خیر — آپ کی مرضی — میں اس جرم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔" عبدالکریم نے کہا۔

"شکریہ! میں آپ کو ساتھ لے کر اندر داخل نہیں ہوں گا — ہاں آپ باہر ٹھہر سکتے ہیں — خیر یہ بات تو ہو گی رات کو — اس وقت تو ہمیں سلیمان طارق کے گھر تک جانا ہے۔"

"کیوں! وہاں جا کر کیا کریں گے۔"

"سیٹھ جالوت رومی کے بیان کی تصدیق۔"

"اوہ! آپ اس حد تک تفتیش کرتے ہیں۔" وہ حیران رہ گیا۔

"اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔" وہ مسکرائے۔

ریاض کالونی میں کوٹھی نمبر ۹-۳۴ تلاش کرنے میں کوئی وقت نہیں ہوئی — دستک کے جواب میں ایک نوجوان آدمی باہر آیا — اس نے قدرے حیران ہو کر پوچھا۔

"جی فرمائیے — اگر میں غلطی پر نہیں — تو آپ امیر کے بیٹے ہیں۔"

"ہاں!" وہ بولا۔

"اور ان کا طیارہ تباہ ہو چکا ہے۔"

"ہاں!" اس کا لہجہ اداس تھا۔

"خیر — فرمائیے — میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"آپ سلیمان طارق ہیں۔"

"جی نہیں! وہ میرے بڑے بھائی ہیں۔"

"ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"افسوس! ایک ہفتے سے پہلے ایسا نہیں ہو سکتا۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"وہ شہر سے باہر جا چکے ہیں — ایک ہفتے بعد ان کی واپسی ہو گی۔"

"کیا وہ حادثے کے وقت ہی جہاز پر گئے ہیں؟"

"یہ بات بھی ٹھیک ہے۔" اس نے بتایا۔

"شکریہ! ہم نے آپ کو زحمت دی۔"

"آپ کو ان سے کیا کام ہے — شاید وہ کام میں بھی کر سکوں؟"

"ان کے چند قریبی دوستوں کے نام بتا سکتے ہیں آپ؟"

"چند قریبی دوست —" وہ بڑبڑایا — پھر بولا:

"ہاں — کیوں نہیں — ان کے دوستوں میں رضوان حلیم، شاکر عزیز، فاروق حمیدی قریبی ہیں۔"

"کوئی اور قریبی دوست رہ تو نہیں گیا؟"

"جی نہیں — یہ تینوں ہی ان کے گہرے دوست ہیں۔"

"آپ شاید بھول رہے ہیں — سیٹھ جالوت رومی بھی ان کے قریبی دوست ہیں۔"

"یہ آپ سے کس نے کہہ دیا۔" اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"کیوں! کیا یہ بات غلط ہے۔"

"ہاں! بالکل غلط — بھائی جان — سیٹھ جالوت رومی کے دوست ہرگز نہیں ہیں — بلکہ ان کا تو آپس میں شاید دور کا بھی تعلق

"ہو سکتا ہے — آپ کو معلوم نہ ہو، لیکن وہ گہرے دوست ہوں۔"

"تب پھر آپ ان سے فون پر بات کر لیں — جس دوست کے ہاں وہ گئے ہیں — وہاں کا نمبر مجھے معلوم ہے۔"

"بھئی واہ — یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو گئے۔

وہ انھیں اندر لے آیا اور خود ہی نمبر ملانے لگا — پھر جب اپنے بھائی کی آواز سنی تو صورت حال بتا کر ریسیور انسپکٹر جمشید کو دے دیا:

"آپ سلیمان طارق ہیں۔"

"بالکل ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"سیٹھ جالوت رومی آپ کو رخصت کرنے ایرپورٹ پر گئے تھے۔"

"کون سیٹھ جالوت رومی — وہ مشہور سیٹھ تو نہیں۔" اس نے چونک کر کہا۔

"ہاں وہی —"

"بھلا وہ مجھے ایرپورٹ پر چھوڑنے کے لیے کیوں جاتے؟" سلیمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تو وہ آپ کے دوست نہیں ہیں۔"

"نہیں۔" اس نے کہا۔
"شکریہ! یہی پوچھنا تھا۔" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔
انھوں نے سلیمان کے بھائی کا شکریہ ادا کیا اور اسے حیران پریشان چھوڑ کر باہر نکل آئے، اب ان کی گاڑی تیز رفتاری سے سیٹھ جالوت رومی کی طرف جا رہی تھی—

"ہم سے چوک ہو گئی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیسی چوک۔"

"ہمیں سیٹھ جالوت کے گھر سے ہی سلیمان طارق کے گھر فون کرنا چاہیے تھا۔"

"تو اب کیا ہو گیا ہے— تھوڑا سا وقت ہی تو ضائع ہوا ہے نا۔"

"آپ— نہیں سمجھے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا نہیں سمجھا— آپ سمجھا دیں نا—" اس نے قدرے منہ بنایا۔

"شاید آپ کو میرا طریقہ کار پریشان کر رہا ہے— اگر ایسا ہے تو آپ گھر جا کر آرام کر سکتے ہیں— یہ میرا کام ہے— میں کر لوں گا۔"

"اوہ نہیں— ایسی کوئی بات نہیں— بے خیالی میں منہ بن گیا تھا— دراصل میں نے ایسے کام کبھی کیے نہیں نا—"

"ہاں! یہ تو ہے۔"

اور پھر سیٹھ جالوت رومی کے دروازے پر پہنچ کر انھوں
دستک دی— دو منٹ بعد ملازم نے دروازہ کھولا:

"سیٹھ صاحب کو ہماری آمد کی اطلاع دو۔" عبدالکریم نے

"افسوس! میں اطلاع نہیں دے سکتا— چند منٹ پہلے وہ
گاڑی میں بیٹھ کر کہیں چلے گئے— بیوی بچوں کو بھی ساتھ
گئے— اور کہہ گئے ہیں— ایک تفریحی مقام پر جا رہے
—جلد واپسی نہیں ہو سکے گی۔"

"اوہ!" عبدالکریم کے منہ سے نکلا۔

نیلی برفی

"ارے باپ رے۔" ملٹری آفیسر کے منہ سے مارے حیرت ک
نکلا۔

"افسوس! یہ برا ہوا۔ ایک ضروری گواہ مارا ڈالا گیا۔ ارے
اب اس کھلونے کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ ہمیں فوراً ا
سائنس دان تک پہنچنا چاہیے۔ کہیں کھلونا بھی ہمارے ہاتھ
نہ نکل جائے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا مطلب؟" ملٹری آفیسر چونک اٹھا۔

"مطلب یہ کہ جس طرح ریاض قدیر کو موت کے گھاٹ
گیا۔ تاکہ وہ ہمیں کوئی بات نہ بتا سکے۔ اس طرح اس کھ
کو بھی حاصل کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ تاکہ ہم ا
کے ذریعے بھی کچھ معلوم نہ کر سکیں۔ اس طرح اس سائنس
کی زندگی بھی خطرے میں ہو۔"

"اوہ! آپ تو مجھے ڈرائے دے رہے ہیں۔"

"آپ کے ساتھ ہم بھی ڈر رہے ہیں۔ فکر نہ کریں۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"لیکن اس لاش کا کیا کریں۔"

"فی الحال آپ کے ماتحت اس کی نگرانی کریں گے۔ کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ ہم ذرا سائنس دان صاحب سے مل آئیں۔ کیونکہ یہ ان کی زندگی کا معاملہ بھی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"تو پھر چلیے۔"

ملٹری آفیسر نے اپنے ماتحتوں کو ہدایات دیں اور ان کے ساتھ روانہ ہوا۔ جلد ہی وہ ایک شاندار عمارت کے سامنے موجود تھے، باہر پہرے دار کھڑے تھے۔ انھیں دیکھ کر وہ اور بھی چوکس ہو گئے۔

"پروفیسر اکرام اللہ اندر تشریف فرما ہیں۔"

"جی ہاں! موجود ہیں۔"

"انھیں اطلاع دو۔ ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"بہت بہتر۔" یہ کہہ کر وہ اندر چلا گیا۔

ایک منٹ بعد انھوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔ پھر وہ ملٹری مین بدحواسی کے عالم میں ان کے پاس آ کر رکا:

"وہ۔ وہ۔ جی۔ وہ۔" اس سے کچھ نہ کہا گیا۔

"اللہ اپنا رحم کرے— معلوم ہوتا ہے— یہاں بھی مجرموں کا وار چل گیا۔"

وہ اندر کی طرف دوڑ پڑے— پروفیسر اکرام اللہ کے کمرے میں زبردست قسم کی ابتری پھیلی ہوئی تھی— کوئی چیز بھی اپنی جگہ پر نہیں تھی— ہر چیز یا تو الٹ پلٹ دی گئی تھی یا پھر توڑ پھوڑ دی گئی تھی— پروفیسر کا ایک جوتا بھی کمرے کے فرش پر موجود تھا— خون کے کچھ قطرات بھی فرش پر نظر آئے۔

"اس— کا مطلب ہے— انھیں اغوا کر لیا گیا۔" ملٹری آفیسر نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"لیکن کیسے— غور طلب بات تو یہ ہے— کوٹھی کے صدر دروازے پر تو فوجی پہرہ ہے— اغوا کرنے والے کس طرح اندر داخل ہوئے— اور اس توڑ پھوڑ کی آوازیں آخر ان کے کانوں تک کیوں نہیں پہنچیں۔"

"یہ بات واقعی عجیب ہے۔"

"صرف عجیب نہیں— غریب بھی۔" فاروق بولا۔

"آپ نگرانی کرنے والوں کو اندر ہی بلا لیں— اب وہ باہر کھڑے رہ کر کریں گے بھی کیا۔" محمود نے منہ بنایا۔

ملٹری آفیسر نے نگرانی کرنے والوں کو بلا لیا— ان کے رنگ زرد تھے۔

"تم لوگوں کے باہر موجود ہوتے ہوئے، یہ سب کیسے ہو گیا۔"

"ہم خود حیران ہیں جناب۔" ایک نے کہا۔

"آخر اس توڑ پھوڑ کی آوازیں تم لوگوں نے کیوں نہیں سنیں۔"

"اندر پوری آواز سے ریڈیو بجنے لگا تھا— اس پہ بے ہنگم موسیقی کا کوئی پروگرام لگا ہوا تھا— ہم نے یہی خیال کیا کہ پروفیسر صاحب شوق کر رہے ہیں۔"

"حالانکہ اس وقت انھیں اغوا کیا جا رہا تھا۔" ملٹری آفیسر کے لہجے میں طنز تھا۔

"یہ بات تو ہمیں اب معلوم ہوئی ہے۔"

"خیر— یہ بات تو معلوم ہو گئی کہ انھوں نے آوازیں کیوں نہیں سنیں، مجرموں نے پوری آواز میں ٹیپ ریکارڈ لگا دیا تھا— اب سوال یہ ہے کہ وہ اندر کس طرف سے داخل ہوئے— کیا نگرانی کرنے والوں میں سے کچھ لوگ اس عمارت کے پچھلی طرف نہیں تھے۔"

"نہیں! پچھلی طرف نگرانی کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی— کیونکہ عمارت میں اس طرف سے داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔" ایک نے کہا۔

"آئیے— یہ بھی دیکھ لیں۔" محمود نے کندھے اچکائے۔

وہ سب پچھلے حصے میں آئے— اور یہ دیکھ کر دھک سے

رہ گئے کہ ایک کمرے کی کھڑکی چوپٹ کھلی تھی۔ کھڑکی کے ساتھ
لوہے کا ایک پائپ چھت تک جا رہا تھا۔

"آپ تو کہہ رہے تھے کہ اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں
ہے۔" فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں نے غلط نہیں کہا تھا جناب۔ یہ کھڑکی اندر سے بند
تھی۔ اس کے بند ہونے کی صورت میں آخر عمارت میں کوئی کس
طرح داخل ہو سکتا تھا۔ صاف ظاہر ہے۔ انھوں نے پہلے کسی
طرح کھڑکی اندر سے کھلوائی۔ اور پھر اندر داخل ہو گئے۔ اس
میں ہمارا کیا قصور۔"

"سوال یہ ہے کہ انھوں نے کھڑکی کس طرح کھلوا لی۔ کیا
اندر پروفیسر صاحب کے بال بچے بھی رہتے ہیں۔" محمود نے پوچھا۔

"نہیں! یہ ان کی تجربہ گاہ ہے۔ گھر الگ ہے۔ یہاں سے
فارغ ہو کر وہ اپنے گھر جاتے ہیں۔" ملٹری آفیسر نے بتایا۔

"ان کا کوئی نائب۔ کوئی اسسٹنٹ۔ بھی اندر ہوتا ہے؟"

"ہاں۔ دو نائب۔ اور ایک خادم اندر موجود تھے۔"

"حیرت ہے۔ ان تینوں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آیا۔"
فاروق بڑبڑایا۔

"ابھی ہم نے عمارت کا جائزہ نہیں لیا۔ صرف کمرۂ واردات
دیکھا ہے۔ اور ادھر چلے آئے ہیں۔ مجرم دراصل اس پائپ کے

ے پہلے چھت پر پہنچے ہیں۔ پھر نیچے اتر کر انھوں نے کھڑکی کھول
لی۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ بھلا اتنے اونچے پائپ پر کوئی
طرح چڑھ سکتا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"یہ کیا مشکل کام ہے۔ یہ کام تو ہم کر سکتے ہیں۔ دراصل
کے ہاں اس قسم کے جرائم چونکہ عام نہیں ہیں۔ اس لیے
کو یہ عجیب لگ رہا ہے۔ فاروق۔ ذرا انھیں دکھانا۔"

"لیکن اس پائپ پر مجرم کی انگلیوں کے نشانات ہوں
۔" فاروق بولا۔

"اوہ ہاں! شکریہ فاروق۔" محمود نے کہا۔

ملٹری آفیسر نے فون کر کے ماہرین کو بلا لیا۔ نشانات
ئے گئے۔ تجربہ گاہ سے بھی نشانات اٹھائے گئے۔
فاروق نے انھیں پائپ پر چڑھ کر دکھایا۔ ان کی
یں حیرت سے پھیل گئیں۔ اب اندر کا جائزہ لیا گیا۔
کمرے میں دونوں نائب اور خادم بندھے مل گئے۔
کے منہ بھی باندھے گئے تھے تاکہ آوازیں نہ نکل سکیں۔
کھلتے ہی وہ چیخنے چلانے لگے۔

"بھئی۔ صبر کرو۔ اور بتاؤ۔ کیا ہوا تھا؟"

"وہ۔ آٹھ تھے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول تھے۔"

پہلے انھوں نے ہمیں باندھا، پھر پروفیسر صاحب کو باندھا
پروفیسر صاحب اس وقت اس کھلونے کا جائزہ لے رہے
تھے — جو آپ دے گئے تھے — انھوں نے اس کھلونے
کو بھی اپنے قبضے میں لے لیا — پھر ہمیں اس کمرے میں بند
کر دیا گیا۔"

"ہوں! یہ سب کچھ دراصل اس کھلونے کی وجہ سے ہوا۔
کھلونا — اب اور زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے۔" محمود نے
الجھن کے عالم میں کہا۔

وہ تجربہ گاہ میں آئے — اور ایک ایک چیز کا بغور جائزہ
لیتے — فرزانہ فرش پر جھک کر کسی چیز کو غور سے دیکھنے لگی —
پھر اس کے منہ سے نکلا:

"نیلی مٹی۔"

"کیا مطلب؟" ملٹری آفیسر نے زور سے چونک کر کہا۔

"یہ دیکھیے — ان کے جوتوں کے تلوں میں لگی مٹی — برفی
کی شکل کی مٹی کا ٹکڑا — لیکن یہ نیلے رنگ کی مٹی کا ہے —
کیا آپ کے شہر میں کسی جگہ کی مٹی نیلے رنگ کی ہے؟"

"ہاں!" ملٹری آفیسر نے ایک سرد آہ بھری۔

"خیر تو ہے — آپ نے سرد آہ کیوں بھری؟"

"کسی زمانے میں وہ علاقہ ہمارا تھا — لیکن اب دشمن

ملک کے قبضے میں ہے — یعنی بیگال کے قبضے میں۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"جی ہاں! اس علاقے کی مٹی بالکل نیلی ہے۔"

"تب پھر حملہ آور وہیں سے آئے تھے — اور اس کا
مطلب یہ نکلا کہ اس معاملے میں — یعنی امیر کو ہلاک کرانے
میں ضرور بیگالیوں کا ہاتھ ہے — نیلی مٹی والا علاقہ اگرچہ
بیگالیوں کے قبضے میں ہے — لیکن اس طرف تو ہمارے فوجی
موجود ہوں گے — سوال یہ ہے کہ نیلی مٹی کے علاقے سے
دشمن اس طرف کیسے آ گئے — یہ معلوم کرنا آپ کا کام ہے — آپ
کی فوج میں ضرور کچھ غدار شامل ہیں اور جس فوج میں کچھ غدار
موجود ہوں — اس ملک کا اللہ ہی حافظ ہے — برصغیر میں
انگریز چند غداروں کی مدد سے کامیاب ہو گئے تھے، اور
ان غداروں کی وجہ سے برصغیر ڈیڑھ سو سال تک انگریز کا
غلام بنا رہا — ان دو غداروں کے نام میر جعفر اور میر صادق
ہیں — تاریخ میں ان کی غداری ثابت ہے — اور اس معاملے
میں قطعاً کسی شک کی گنجائش نہیں — آج بھی برصغیر میں
ان کی اولاد موجود ہے — اور وہی کام کر رہی ہے — جو ان
کے باپ کر گئے تھے — اللہ تعالیٰ ایسے غداروں سے محفوظ
رکھے — آمین — آپ جلد از جلد اپنی سرحدی چوکی کا جائزہ

لیں۔ بلکہ بہتر تو یہی ہو گا کہ ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں۔"

"ضرور چلیے۔ مجھے تو بہت اطمینان ہو گا۔"

"لیکن ایک بات نوٹ کر لیں۔ غدار کو گرفتار کرنا ہو گا۔ چاہے وہ کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو۔"

"ہمارے ملک میں بڑے مجرم چھوڑے نہیں جاتے۔ یہاں تو امیر کے خلاف بھی اگر کوئی کیس ہو تو اسے قاضی کی عدالت میں حاضر ہونا پڑتا ہے۔ اور اگر امیر مجرم ثابت ہو جائے تو قاضی اسے معزول کر کے سزا کا حکم سنا سکتا ہے۔"

"لیکن۔ آپ کے ملک میں قاضی بھی تو مجرم ثابت ہو گیا ہے۔"

"ہاں! اس کا ہمیں بہت رنج ہے۔ ایسا زندگی میں پہلی بار ہوا ہے۔"

"اس کا مطلب صاف ہے۔ آپ کی سرزمین میں غداری کے بیج بو دیے گئے ہیں۔ یہ بیج اب پھوٹ نکلے ہیں۔ اور پھل دینے لگ گئے ہیں۔ ان پودوں کا سراغ لگا کر انھیں جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ ورنہ آپ کبھی بھی ان کی سازش سے بچ نہیں سکیں گے۔ پورا ملک سکون کا سانس نہیں لے سکے گا۔ اور ان لوگوں کی کوشش بھی ہو گی کہ اسلام کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیں۔ بلکہ نہیں۔ یہ لوگ تو اب اسلام کے

سر میں آخری کیل ٹھونکنے کی فکر میں ہیں۔ کیوں کہ بے شمار اسلامی ملکوں میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ ہمارے اپنے ملک میں حالات یہی ہیں۔"

"ہاں! افسوس!" ملٹری آفیسر نے سرد آہ بھری۔

وہ اسی وقت نیلی سرحد پر پہنچے۔ ملٹری آفیسر نے فوری طور پر اپنے انچارج کو ساری تفصیل سنائی۔ وہ سن کر دھک سے رہ گئے۔ پھر انھوں نے کہا:

"ٹھیک ہے۔ ہم ایک ایک فوجی کو چیک کریں گے۔"

"آپ ایک احتیاط کریں۔ پہلے سب کو ایک جگہ جمع کر لیں۔ ایسا نہ ہو۔ غدار فرار کا راستا اختیار کر لیں۔"

"فکر نہ کریں۔ ایسا نہیں ہو گا۔ میرا نام کمانڈر سیف اللہ ہے۔" وہ بولے۔

"شکریہ جناب۔"

تھوڑی دیر بعد سرحد پر موجود تمام فوجی ان کے سامنے موجود تھے اور ان کی جگہ سرحد پہ نئے فوجی لے چکے تھے۔ کمانڈر سیف اللہ نے پہلے ان کے سامنے ایک تقریر کی۔ جس میں وطن کے لیے جان تک قربان کرنے کے جذبات کا اظہار کیا۔ پھر ان سے تعارف کرایا اور آخر میں بولے:

"یہ لوگ آپ لوگوں سے ملنے آئے ہیں۔ ہمارے دوست ملک کے ہیں۔ یہاں کے فوجیوں کے حالات، مزاج اور رہنے سہنے

ریقہ جاننا چاہتے ہیں — اس لیے — یہ جو پوچھیں — انھیں بتاتے چلے جائیں۔"

"بہت بہتر سر۔" آوازیں ابھریں۔

تینوں الگ الگ شروع ہو گئے — وہ اوٹ پٹانگ سوال کرنے لگے — ان کے سوالات اس قسم کے تھے:

"آپ لوگ ناشتے میں کیا کیا کھاتے ہیں — دوپہر کا کھانا کیا ہوتا ہے — رات کو سوتے کس حساب سے ہیں — سرحد پر ڈیوٹی کس طرح دیتے ہیں۔"

اس قسم کے سوالات کے دوران محمود نے اچانک ایک فوجی سے کہا:

"آپ کا جوتا بہت خوب صورت ہے — ذرا نکال کر دکھائیں۔"

"جی!" وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

"اپنا جوتا نکال کر دکھائیں۔"

اس نے پریشان ہو کر کمانڈر کی طرف دیکھا — اور جب انھوں نے سر ہلا کر کہا، نکال دو نا بھئی — تو اس نے جوتا نکال دیا — محمود نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا — پھر بولا:

"بہت مضبوط ہے — یہ آپ کہاں سے بنواتے ہیں۔"

"اپنے ہی ملک میں فیکٹری ہے۔" کمانڈر نے بتایا۔

"اور ذرا آپ دکھائیں۔" محمود نے ایک اور سے کہا۔

"یہ — آپ لوگ کیا کر رہے ہیں — جوتے دیکھ کر کیا کریں گے — سب کے جوتے اسی جیسے ہیں — تھوڑا بہت فرق ہو گا، ان میں —" ایک فوجی نے جل کر کہا۔

"دیکھیے جناب — آپ کے کمانڈر کی ہدایات یہ ہیں کہ جو ہم کہیں، وہ کریں۔"

فوجی نے بے بسی کے عالم میں کمانڈر کی طرف دیکھا — انھوں نے مسکرا کر سر ہلا دیا — اس طرح ایک ایک کر کے انھوں نے سبھی کے جوتے دیکھ ڈالے — اور پھر محمود کمانڈر کی طرف مڑا:

"ان چار کو یہاں روک لیں — باقیوں کو سرحد پر بھیج دیں، اس وقت سرحد پر دوگنا آدمیوں کی ضرورت ہے — لہذا نئے بلائے گئے آدمی ابھی واپس نہ کریں۔"

"اچھی بات ہے۔" کمانڈر نے کہا اور فوجیوں کو ہدایات دیں —

وہ چلے گئے — چار رہ گئے — ان کے چہروں پر پریشانی کے آثار ابھرنے لگے تھے —

"وہ کھلونا کہاں ہے بھئی — جو تم لوگ پروفیسر اکرام اللہ کی تجربہ گاہ سے لائے ہو — اور پروفیسر صاحب کہاں ہیں۔" اس نے پر سکون آواز میں کہا۔

جی۔ کیا مطلب؟" وہ بری طرح چونکے۔

"جرم ثابت ہو گیا جناب۔ اگر ان کا اس واردات میں ہاتھ نہ ہوتا تو ہرگز اس بری طرح نہ اچھلتے۔ دوسرے یہ کہ ہم ان کے تلووں پر بنے ہوئے برفی نما نشانات کو چیک کر چکے ہیں، یہ بالکل اتنے ہی ہیں۔ جتنے سائز کی نیلی مٹی ہمیں وہاں ملی ہے۔"

"اوہ!" ملٹری آفیسر بھی زور سے اچھلا، اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر اس نے سرد آواز میں کہا:

"بتاؤ پروفیسر اکرام اللہ اور وہ کھلونا کہاں ہے۔"

"اب دونوں چیزیں آپ کو نہیں مل سکیں گی۔" ان میں سے ایک نے پرسکون آواز میں کہا۔

"کیا مطلب۔ کیا تم پروفیسر صاحب کو اغوا کرنے اور کھلونا اڑانے کا اقرار کر رہے ہو؟"

"بالکل کر رہے ہیں۔ آپ ہمیں گرفتار کر لیں۔ لیکن ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔" دوسرا بولا۔

"بھول ہے تم لوگوں کی۔ میں تو گرا دوں گا تم لوگوں کی کھال۔"

"کھال گرانے سے پہلے اوپر کے احکامات لے لیجیے گا۔ کہیں کھال کی قیمت نہ ادا کرنا پڑے۔" تیسرے نے بے خوفی

کے عالم میں کہا۔

"تت۔ تم۔ تمہاری یہ جرأت۔"

"ہاں! ہماری یہ جرأت۔ پروفیسر اکرام اللہ کو موت کے گھاٹ اتار کر سمندر میں پھینک دیا گیا ہے۔ اور کھلونا ان کے جسم کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔"

"نن۔ نہیں۔"

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اس کی چیخ

"اب آپ سمجھے — ہم سے کیا چوک ہوئی ہے؟"

"ہوں! اس کا مطلب ہے سیٹھ جالوت رومی اس سازش میں شریک ہے۔"

"بالکل — نہ صرف شریک ہے بلکہ اس سے کوئی اہم کام بھی لیا گیا ہے اور اسی لیے عین حادثے سے پہلے وہ ایر پورٹ پر موجود تھا اور امیر کے طیارے کو دوربین سے دیکھ رہا تھا۔"

"سوال یہ ہے کہ اب آپ کیا کریں گے۔"

"آپ ان کی تلاش میں سادہ لباس والوں کو لگا دیں — اور سیٹھ کی کوٹھی کی تلاشی کا وارنٹ حاصل کریں — ہم اس کوٹھی کی اچھی طرح تلاشی لیں گے۔"

"اچھی بات ہے — اس دوران آپ کیا کریں گے؟"

"میں یہیں ٹھہروں گا — مجھے شک ہے — کہ سیٹھ جالوت

رومی ہمارے جانے کے بعد پھر کوٹھی کی طرف آئے گا — اس وقت تو وہ افراتفری کے عالم میں نکلا ہے — ضروری چیزیں لینے کے لیے اس کا پھر آنا ضروری سا محسوس ہو رہا ہے۔"

"اوہ!" عبدالکریم کے منہ سے نکلا۔

وہ کوٹھی سے کچھ فاصلے پر یہ باتیں کر رہے تھے جب کہ ملازم دروازہ بند کر کے جا چکا تھا۔

"اچھا تو پھر میں چلتا ہوں۔" عبدالکریم یہ کہہ کر کار کی طرف مڑ گیا۔

انسپکٹر جمشید بھی قدرے ہٹ کر ایسی جگہ کھڑے ہو گئے جہاں سے وہ کوٹھی کو بخوبی دیکھ سکتے تھے، لیکن انھیں صاف طور پر نہیں دیکھا جا سکتا تھا — ان کا ذہن الجھا ہوا تھا — وہ برابر غور کر رہے تھے — انھیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے — ان کے اپنے ملک کے صدر کو پیش آنے والے طیارے کے حادثے میں اور اس حادثے میں ذرہ بھر بھی فرق نہ ہو — واقعات بالکل اسی انداز سے پیش آئے تھے — ان کے صدر کا طیارہ بھی پرواز کرنے کے صرف ایک دو منٹ بعد ہی پھٹ گیا تھا — اور یہ طیارہ بھی — فرق اگر تھا تو صرف اتنا کہ اس وقت وہ موقعے پر موجود نہیں تھے — اور اس مرتبہ وہ موقعے پر موجود تھے —

دونوں حادثات پر وہ غور کرتے رہے۔ ان کی نظریں بدستور سیٹھ
جالوت کے دروازے پر لگی رہیں۔ اچانک وہ چونک اٹھے۔ ایک نیلے
رنگ کی بڑی کار وہاں آکر رُکی۔ کار کا دروازہ کھلا اور ایک لمبے
قد کا آدمی باہر نکلا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ اسی
ملازم نے دروازہ کھولا اور پھر اس شخص کو اندر داخل ہونے کے
لیے راستا دے دیا۔ دوسرے ہی لمحے دروازہ بند کر دیا گیا۔

وہ فوراً آگے بڑھے۔ نیلی کار کے نمبر نوٹ کیے اور پھر
اپنی جگہ پر آ گئے۔ اس وقت وہ سوچ رہے تھے۔ کاش
عبدالکریم آ جائے۔ اور ان کی دعا اللہ نے سن لی۔ اسی
وقت عبدالکریم ان کے پاس پہنچ گیا۔

"وارنٹ لے آیا ہوں۔ سادہ لباس والے سیٹھ جالوت
روحی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ ادھر کی کیا رپورٹ
ہے۔"

"لمبے قد کا ایک آدمی اس نیلی کار میں آیا تھا۔ اب وہ
اندر موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اندر سیٹھ صاحب اور
ان کے بیوی بچے بھی نہیں ہیں۔ تو پھر ملازم اس ملاقاتی
کو اندر کیوں لے گیا ہے۔"

"بات واقعی دلچسپ ہے۔"

"اور اب آپ کو بھی تھوڑی سی جاسوسی کرنا ہو گی۔" انسپکٹر

جمشید مسکرائے۔

"کیا کہا۔ میں اور جاسوسی کروں گا۔" عبدالکریم گھبرا گیا۔

"ہاں! آپ اس لمبے آدمی کا تعاقب کریں گے اور میں کوٹھی
کی تلاشی لوں گا۔"

"ہم۔ مجھے تعاقب کا سلیقہ نہیں ہے۔"

"چلیے خیر۔ آپ تلاشی لے لیجیے گا۔ میں جلد از جلد لوٹ
کر آنے کی کوشش کروں گا۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن بہتر ہو گا کہ آپ چند سادہ لباس والوں کے ساتھ تلاشی
لیں۔ کیوں کہ آپ کو تلاشی کا تجربہ بھی تو نہیں ہو گا۔"

"میں ابھی فون کرتا ہوں۔"

اسی وقت لمبا آدمی باہر آتا نظر آیا، اس کے کار میں بیٹھتے ہی
ملازم نے دروازہ بند کر لیا۔

"جب تک میں لوٹ کر نہ آؤں۔ آپ کوٹھی کے اندر ہی
رہیے گا۔ یعنی تلاشی کا کام بھی کرتے رہیے گا۔" انھوں نے
کار کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ عبدالکریم نے سر ہلا دیا۔

انھوں نے مناسب فاصلہ رکھ کر نیلی کار کا تعاقب شروع کر
دیا، کوشش یہ تھی کہ لمبے آدمی کو تعاقب کا شبہ نہ ہو سکے۔
وہ اپنی کوشش میں کامیاب رہے، پندرہ منٹ بعد نیلی کار ایک

ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ اب انھیں بہت تیزی سے آگے بڑھنا
پڑا۔ کیوں کہ ہوٹل کے اندر داخل ہو کر وہ ان کی نظروں سے
اوجھل ہو سکتا تھا اور پھر اسے تلاش کرنا آسان کام نہ ہوتا۔
اس سے پہلے کہ وہ ہوٹل میں داخل ہوتا۔ وہ بھی کار بہت آگے
تک لے آئے اور اس سے اتر کر دروازے کی طرف بڑھے۔ لمبا
آدمی ہال عبور کر رہا تھا۔ انھوں نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ بے
دھڑک اندر داخل ہو گئے۔ اچانک ایک بیرا ان کے راستے میں
آگیا:

"آپ کا کارڈ جناب۔"
"کیسا کارڈ۔"
"ہمارے ہوٹل میں داخلہ کارڈ کے بغیر نہیں ہوتا۔" انھیں بتایا
گیا۔

اب تو وہ بہت جھنجلائے۔ انھوں نے ایک لمحے کے لیے سوچا،
پھر بولے:

"کارڈ کار میں رہ گیا ہے۔ یہ لو۔ خود ہی نکال لو۔ خانے میں
اوپر ہی رکھا ہے۔ سفید رنگ کی ٹیوٹا کار ہے۔ نمبر ہے آئی جے
۵۰۹۳۔"

"لیکن۔ جناب۔ پہلے آپ نے یہ کیوں کہا تھا کہ کیسا کارڈ؟"
"اس وقت میں گہری سوچ میں غرق تھا۔ بات دماغ سے

…گئی تھی۔"
"خیر۔ کوئی بات نہیں۔ ہم کارڈ دیکھ لیتے ہیں۔ آپ یہیں
…کریں گے۔"
"بالکل! میں ہوٹل میں ہی ہوں۔"
بیرا جونہی چابی لے کر باہر نکلا۔ وہ اس طرف لپکے۔ جس طرف
لمبا آدمی گیا تھا۔ انھوں نے دیکھا۔ وہ لفٹ میں سوار ہو رہا تھا۔
…لفٹ میں سوار ہونے کے لیے اس کے علاوہ وہاں اور کوئی
…نہیں تھا۔ ایسے میں سستی کر کے وہ اس آدمی کو کھو سکتے تھے،
لہٰذا دوڑ کر عین اسی وقت لفٹ میں سوار ہو گئے۔ جب کہ دروازہ
…کے قریب بند ہو چلا تھا۔ اس وقت تک وہ ریڈی میڈ
میک اپ بھی کر چکے تھے۔
"آپ۔ آپ عجیب ہیں۔ ایک منٹ ٹھہر نہیں سکتے تھے۔"
"نہیں! بہت جلدی میں ہوں۔" وہ بولے۔
لمبا آدمی برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ پھر وہ تیسری منزل پر اترا
…۔ انسپکٹر جمشید لفٹ میں رہ کر کیا کرتے۔ خود بھی باہر نکل آئے۔
لمبا آدمی تیر کی طرح آگے بڑھا اور ایک کمرے کے دروازے پر
رکا۔ انسپکٹر جمشید جھک کر اپنا جوتا صاف کرنے لگے۔ اس طرح جیسے گرد
جھاڑ رہے ہوں۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ لمبا آدمی اندر
داخل ہو گیا۔

اب وہ آگے بڑھے اور کان دروازے سے لگا دیے۔ اندر کوئی کہ رہا تھا:

"ہاں! لے آئے؟"

"جی ہاں! ویسے مجھ سے پہلے وہاں وہ لوگ پہنچے تھے۔"

"ہوں! وہ تو میں پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا۔ لیکن اس وقت تک انھوں نے تلاشی نہیں لی ہو گی؟"

"جی ہاں۔ بچت ہو گئی۔ ورنہ یہ چیز ضرور ان کے قبضے میں چلی جاتی۔"

انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے۔ کمرے میں پہلے سے موجود شخص سیٹھ جالوت رومی کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ انھوں نے سنا وہ کہ رہا تھا:

"اب تم یہاں سے رخصت ہو جاؤ۔ اور ہرگز مجھ سے ملنے یا بات کرنے کی کوشش نہ کرنا، سمجھ گئے؟"

"جی ہاں! بالکل سمجھ گیا۔"

اس جملے کے ساتھ ہی انھوں نے دروازے کی باہر سے چٹخنی لگا دی اور ساتھ والے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا اور ایک شریف صورت آدمی نظر آیا۔

"ایک فون کروں گا۔ میرا تعلق پولیس سے ہے۔ ساتھ والے کمرے میں غیر قانونی لوگ موجود ہیں۔"

"ضرور کریں جناب۔" اس نے کہا۔

انھوں نے عبدالکریم کے بتائے ہوئے نمبروں سے ایک نمبر ڈائل کیا اور سادہ لباس والوں کو ہدایات دیں۔ پھر شکریہ ادا کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اندر سے دروازہ زور زور سے پیٹا جا رہا تھا۔ اور سیٹھ جالوت رومی چلا چلا کر کہ رہا تھا:

"یہ کون بدتمیز دروازہ بند کر گیا ہے۔ ارے کوئی ہے باہر۔ دروازہ کھولو۔ میں اس بدتمیزی کا مزا چکھا دوں گا۔" وہ مسکرا دیے۔ اتنے میں دو آدمی برآمدے سے گزرے۔ ساتھ ہی دروازہ دھڑدھڑایا گیا۔ وہ دونوں آدمی چونک کر رکے۔ ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے اپنا ہاتھ اس طرح دروازے پر سے ہٹایا جیسے دستک دی ہو۔ وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔ اندر سے پھر کہا گیا:

"یہ کون کم بخت ہے۔ ارے میں بھی کتنا احمق ہوں، مجھے کاؤنٹر والوں کو بلانا چاہیے۔"

اور پھر فون پر اس کی آواز سنائی دی:

"ہیلو کاؤنٹر مین۔ میں سیٹھ جالوت رومی بول رہا ہوں۔ کمرہ نمبر ۲۴۹ سے۔ کوئی کم بخت میرے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر کے چلا گیا ہے۔ ضرور کسی نے شرارت کی ہے۔ مہربانی فرما کر دروازہ کھلوائیے۔"

ساتھ ہی ریسیور پٹخنے کی آواز سنائی دی۔

ایک منٹ بعد بیرا دروازے پر آیا اور انھیں دیکھ کر چونک اٹھا:

"ایک طرف ہٹ جائیے جناب — مجھے یہ چٹخنی گرانی ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی کیا مطلب — اس کی ضرورت نہیں، بھلا کیوں اس کی ضرورت نہیں جب کہ سیٹھ صاحب نے تو اطلاع دی ہے۔"

"بے شک انھوں نے اطلاع دی ہے — لیکن دروازہ بھی تو میں نے ہی باہر سے بند کیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھا — اندر سیٹھ جالوت نے بھی چلا کر کہا:

"کیا مطلب — کیا دروازہ بند کرنے والا باہر موجود ہے؟"

"ہاں جناب — لیکن وہ مجھے دروازہ کھولنے نہیں دے رہا۔"

"یہ کیا بدتمیزی ہے — میں اسے پولیس کے حوالے کر دوں گا — یہ ہوٹل کیسا ہے — اس کی انتظامیہ کیسی ہے — آخر یہ کیا تک ہے۔"

"اس میں میرا یا ہوٹل کا کیا قصور جناب — یہ صاحب نہ جانے کون ہیں — اور دروازے کے سامنے کیوں اڑے ہوئے ہیں۔"

"خیر — میں خود دروازہ کھول دیتا ہوں۔"

انسپکٹر جمشید نے لفٹ سے سادہ لباس والوں کو نکلتے دیکھ کر کہا، اور ہاتھ چٹخنی کی طرف بڑھا دیے — ادھر سادہ لباس والے وہاں پہنچے، ادھر انھوں نے چٹخنی گرا دی — دروازہ کھلتے ہی سیٹھ جالوت دھاڑا:

"یہ کیا بدتمیزی تھی۔"

"آپ کے سامنے ہے جناب۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

سیٹھ جالوت نے سامنے دیکھا — سادہ لباس والوں کو دیکھ کر بھلا وہ سمجھتا — اس نے بھنا کر کہا:

"یہ لوگ کون ہیں — کیا معاملہ ہے۔"

"میں بتاتا ہوں — یہ لوگ خفیہ پولیس کے آدمی ہیں، شہر میں اس وقت خفیہ پولیس والے سیٹھ جالوت رومی کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں، میں نے سوچا، اس تلاش میں کیوں نہ مدد کر ڈالوں — لہذا میں سیٹھ صاحب کی کوٹھی کے پاس پہنچ گیا — میں جانتا تھا — وہ خود واپس آئیں گے — یا کسی کو بھیجیں گے — کیوں کہ فرار ہونے سے پہلے ضروری چیزیں ساتھ لے جانا بھول گئے ہوں گے — چنانچہ یہی ہوا — سیٹھ صاحب نے ان لمبے صاحب کو بھیجا، میں نے ان کا تعاقب کیا، اور یہاں پہنچ گیا — یہاں پہنچ کر میں نے چٹخنی لگائی، اور سادہ لباس والوں کو فون کر دیا، اب آپ ہی بتائیں کہ اس

میں میرا قصور کیا تھا، یا میں نے کیا بُرا کیا تھا۔" یہاں تک
کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"آپ نے بہت اچھا کیا تھا جناب۔" یہ کہہ کر خفیہ پولیس والے
آگے بڑھے اور دونوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دیں۔

"اب ذرا ان کی تلاشی بھی لے لوں۔" انسپکٹر جمشید یہ کہہ کر آگے
بڑھے۔

"آپ زحمت نہ کریں سر۔ ہم لے لیتے ہیں تلاشی۔"

"اچھا بھئی۔ تمھاری مرضی۔ تم لے لو۔" انسپکٹر جمشید
بولے۔

انھوں نے جلدی جلدی ان دونوں کی تلاشی لی، پھر ایک
نے کہا:

"ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں نکلا جناب۔"

"خیر۔ کوئی بات نہیں۔ اب کمرے کی تلاشی بھی لے لیں۔"

انھوں نے جلدی جلدی کمرے کو دیکھ ڈالا اور کندھے
اچکا دیے:

"کمرے سے بھی کچھ نہیں نکلا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں جناب۔"

"خیر۔ اگر آپ لوگ اجازت دیں تو چند منٹ میں بھی تلاشی
پر ضائع کر دوں۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔"

اب انسپکٹر جمشید آگے بڑھے اور سیٹھ جالوت کی تلاشی لی۔
پھر لمبے آدمی کی تلاشی لی۔ پھر کمرے کی اچھی طرح تلاشی لی۔
لیکن کوئی خاص چیز نظر نہ آئی۔

"سیٹھ صاحب۔ آپ نے اس شخص کے ذریعے اپنے گھر
سے کیا منگایا ہے۔"

"کچھ بھی نہیں۔"

"میں تم دونوں کی باتیں باہر کھڑے رہ کر سنتا رہا ہوں۔
لہٰذا بتانا ہو گا۔"

"وہ چند خفیہ کاغذات تھے۔ میں نے انھیں جلا کر فلش
میں بہا دیے۔ اب ان کا نام و نشان تک نہیں رہا۔" سیٹھ
جالوت بولا۔

"دیکھو سیٹھ۔ جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کرو۔ میں جانتا ہوں،
اس وقت تم بالکل سفید جھوٹ بول رہے ہو۔"

"نہیں! میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

"ایک منٹ۔ آپ کی کوٹھی کا فون نمبر کیا ہے۔"

"لیکن۔ کیوں۔"

"بتاؤ۔" انسپکٹر جمشید کا لہجہ سرد ہو گیا۔

سیٹھ جالوت اور لمبا آدمی کانپ گئے۔ پھر سیٹھ جالوت نے

بتا دیے۔۔ انسپکٹر جمشید نے وہ نمبر گھمائے اور بولے:

"ہیلو! سیٹھ جالوت بول رہا ہوں۔۔ وہ لمبا آدمی آیا تھا یا نہیں؟"

ان کے منہ سے نکلنے والی آواز سن کر سیٹھ جالوت حیرت زدہ رہ گیا۔ کیوں کہ آواز بالکل اس کی تھی۔ لمبے آدمی کے چہرے پر بھی حیرت کے بادل نظر آئے۔۔ ادھر سے سیٹھ جالوت کے ملازم نے کہا:

"آیا تھا جناب۔۔ کھلونا میں نے اسے دے دیا تھا۔۔ وہ پہنچا نہیں؟"

"ٹھیک ہے۔" یہ کہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا:

اب وہ ان کی طرف مڑے تو چہرے پر ایک دل کش مسکراہٹ تھی۔۔ انھوں نے کمرے کا جائزہ لیا۔۔ آتش دان پر ایک عدد کھلونا بھالو رکھا تھا۔۔ کمرے میں اور کوئی کھلونا نظر نہ آیا۔۔

"آپ کو بھی کوئی خاص چیز نہیں ملی۔۔ اور مجھے بھی۔۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سیٹھ صاحب بہت چالاک ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ سیٹھ نے باقاعدہ ان کی نظروں کا تعاقب

جاری رکھا۔۔ لیکن انھوں نے اس چیز کی طرف ایک بار بھی نظریں اٹھا کر نہ دیکھا۔۔ ورنہ فون کرنے کی بھی ضرورت پیش نہ آتی۔۔ ہاں تو سیٹھ صاحب۔۔ آپ نے اس لمبے آدمی سے جو چیز منگائی ہے۔۔ وہ یہ بھالو ہے۔"

"نن۔۔ نہیں۔"

سیٹھ جالوت کے منہ سے چیخنے کے انداز میں نکلا۔۔

دماغ الٹ دیا

ملٹری آفیسر اب انھیں بری طرح گھور رہا تھا۔

"اب ان کا کیا کیا جائے؟"

"میرے خیال میں تو اچار ڈالنا مناسب رہے گا۔" فاروق مسکرایا۔

"جی کیا مطلب؟" آفیسر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ پروفیسر اکرام اللہ کو اغوا انھی لوگوں نے کیا ہے — اور وہاں سے کھلونا بھی انھوں نے ہی چرایا ہے، تاکہ ہم کھلونے کا راز نہ جان سکیں — ہمیں ان سے یہ اگلوانا ہوگا کہ اب پروفیسر صاحب اور کھلونا کہاں ہیں۔"

"یہ بات تو ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہمیں ان کی باتوں پر یقین نہیں آیا — ان لوگوں نے یہ کام ظاہر ہے کسی کے حکم پر کیا ہے — اور یہ ہمیں اس کا نام بھی نہیں بتائیں گے — کیوں بھئی — ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں! بالکل ٹھیک ہے — ہم کیوں بتانے لگے اپنے باس کا نام۔"

"تو تم نے پروفیسر صاحب اور کھلونا باس کے حوالے کیے تھے؟"

"یہی سمجھ لیں۔" دوسرے نے کہا۔

"جناب! اس طرح کام نہیں چلے گا — انھیں کمرۂ امتحان میں لے جانا ہی ہوگا۔"

"ٹھیک ہے — لے چلتے ہیں۔"

"ہماری ٹوٹ پھوٹ کے ذمے دار آپ خود ہوں گے، یہ سوچ لیجیے گا۔"

"ہاں ہاں — سوچ لیا ہے — دیکھ لیں گے۔" ملٹری آفیسر نے منہ بنایا۔

"اچھی بات ہے — کمرۂ امتحان میں لے جائے جانے سے پہلے ہی آپ کو مزہ آ جائے گا۔"

"ہماری ایک تجویز ہے جناب — " محمود ملٹری آفیسر کی طرف مڑا۔

"کہیے — مجھے تو صرف آپ کی ہدایات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

"ہم انھیں سرکاری کمرۂ امتحان تک نہ لے جائیں — بلکہ کسی

پرائیویٹ جگہ لے جائیں۔ کہیں ان کی یہ میٹنگیں واقعی کوئی وزن نہ رکھتی ہوں۔ آپ کی حکومت انھیں رہا کرنے پر مجبور نہ ہو جائے۔"

"کیا ایسا ہو سکتا ہے۔" آفیسر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہمارے خیال میں تو ایسا ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ ہمارے ملک میں ایسا عام طور پر ہوتا رہتا ہے۔"

"آپ کے ملک میں حکومت مکمل طور پر اسلامی نہیں ہے۔ جب کہ یہاں اسلام کا قانون نافذ ہے۔ آپ بے فکر ہو کر چلیں۔"

"اچھی بات ہے۔ لیکن یہ سن لیں۔ ہم انھیں رہا کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ چاہے قاضی صاحب کا ہی فون کیوں نہ آئے۔"

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔"

وہ وہاں سے روانہ ہوئے ہی تھے کہ ایک آفیسر دوڑتا ہوا ان کی طرف آیا:

"ہماری سرحد پر دشمن فوجوں کی تعداد بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ کوئی بڑا حملہ کرنے والے ہوں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"کیا یہ انعام صرف ان چار افراد کی گرفتاری کی وجہ سے دیا

جا رہا ہے۔" کمانڈر نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"پھر اب کیا کیا جائے۔"

"ڈرنے اور گھبرانے سے کچھ نہیں ہو گا۔ آپ بھی اپنی فوجوں کو سرحد پر لے آئیں۔ اور مقابلے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اگر اس دوران یہ لوگ ان چاروں کو چھڑانا چاہتے ہیں۔ تو پھر آپ کی حکومت اس ملک پر نہیں رہے گی۔ ان کی حکومت ہو گی۔ یہ فیصلہ کرنا آپ کی حکومت کا کام ہے کہ ان کی حکومت اپنے اوپر تسلیم کرتے ہیں یا ان سے اپنی حکومت منواتے ہیں۔"

"ہوں! بات ٹھیک ہے۔ پہلا کام ہم یہی کریں گے کہ اپنی فوجیں سرحد پر جمع کریں گے۔ پھر حکومت کے مشورے کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ آپ ان چاروں کو فوری طور پر یہاں سے لے جائیں۔ اور جلد از جلد معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ پروفیسر صاحب اور کھلونا کہاں ہیں۔" کمانڈر نے جلدی جلدی کہا۔

وہ اسی وقت وہاں سے روانہ ہو گئے۔ انھیں فوراً کمرۂ امتحان میں لایا گیا۔ یہاں جدید چیزیں نصب تھیں۔ آفیسر نے اس جگہ کے ملازمین کو اشارہ کیا:

"اُن کی زبان فوراً کھلوانا ہے۔"

"او کے سر۔" وہ فوراً حرکت میں آ گئے۔

"بہت مہنگا پڑے گا یہ کھیل آپ کو۔"

"بھئی کیوں ہمیں دھمکیاں دیے جا رہے ہو۔ کچھ تو خوف کھاؤ۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"خوف آپ کو کھانا پڑے گا۔ کسی بھی لمحے خوف آنے والا ہے۔ اس وقت ان فوجی آفیسر صاحب کا منہ دیکھنے والا ہو گا۔"

"ہم ان کی طرف دیکھیں گے ہی نہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ابھی تم لوگوں کو مذاق کی سوجھی ہے۔ پھر جان کے لالے پڑے ہوں گے۔"

"اب ہم اور کچھ نہیں کر سکتے۔ اس لیے مہربانی کریں۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

اس وقت تک انھیں شکنجے میں کس دیا گیا تھا، پھر ان کے چہرے سرخ ہونے لگے۔ جسم کے بال کھڑے ہوتے چلے گئے۔

"یہ۔ یہ ظلم ہے۔"

"اگر یہ ظلم ہے۔ تو پروفیسر اکرام اللہ کو اغوا کرنا کیا ظلم نہیں تھا۔"

وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ اب ان کی گھٹی گھٹی چیخیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ وہ

...ے اچھلے:

...بہتر ہو گا۔ یہ فون نہ سنا جائے۔" محمود نے کہا۔

"اس طرح تو بات اور بگڑ جائے گی۔" ملٹری آفیسر نے پریشان ...و کر کہا۔

"ہمیں صرف ایک دو منٹ کی مہلت درکار ہے۔ پھر ہم انھیں ...چھوڑ دیں گے۔ ہمارا کیا جاتا ہے۔ لہذا آپ ذرا باتھ روم میں چلے ...ائیں۔ یہاں کے کوئی صاحب ریسیور اٹھا کر بات کر لیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ سنو بھئی۔ میں باتھ روم میں ہوں۔ تم ان ...بلوں کے نام نہیں جانتے۔ تمھیں نہیں معلوم، انھیں کہاں سے لایا ...گیا ہے۔ سمجھ گئے۔"

"سمجھ گئے سر۔" وہاں کے ملازم مسکرا دیے۔

ملٹری آفیسر کمرے سے نکل گئے۔ فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی ...تھی۔ آخر ایک ملازم نے ریسیور اٹھایا۔ محمود اپنا کان قریب لے ...گیا۔ دوسری طرف سے پریشان آواز میں کہا گیا:

"ہیلو کرنل عبداللہ۔ یہ آپ ہی ہیں نا۔"

"نہیں سر۔ وہ اس وقت باتھ روم میں ہیں۔"

"وہ یہاں کچھ لوگوں کو گرفتار کر کے لائے ہیں۔"

"یس سر۔ لائے تو ہیں۔"

"وہ کس حالت میں ہیں۔"

"انھیں شکنجے میں کسا ہوا ہے۔"

"ان کا شکنجہ فوراً کھول دیا جائے ۔۔ یہ میرا حکم ہے ۔ میں قاضی سلمان فاروقی بول رہا ہوں ۔۔ جب کہ میں قائم مقام امیر بھی ہوں۔"

"سر ۔ کرنل صاحب باتھ روم میں جاتے وقت کہہ گئے تھے کہ ان کا شکنجہ کسی قیمت پر نہ کھولا جائے۔"

"تم نے میرا حکم نہیں سنا۔"

"بہت بہتر سر۔"

"کھولنے کے بعد ان میں سے ایک سے بات کراؤ ۔ میں فون بند نہیں کر رہا۔"

"بہت بہتر سر۔" اس نے گھبرا کر کہا ۔ اور محمود کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو ۔ اب کیا کیا جائے:

محمود نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود باتھ روم کی طرف بڑھ گیا ۔ انگلی سے دستک دی تو کرنل عبداللہ نے دروازہ کھول دیا:

"قاضی سلمان فاروقی ہیں ۔۔ انھوں نے حکم دیا ہے کہ ان لوگوں کو کھول دیا جائے ۔ اور ان کی بات ان سے کرائی جائے۔"

"پھر ۔ اب ہم کیا کریں ۔ یہ تو وہی ہوا ۔ جس کی دھمکیاں یہ لوگ دیتے رہے ہیں۔" کرنل نے جل بھن کر کہا۔

"شکنجہ کب تک اپنا کام دکھا دے گا۔"

"صرف ایک منٹ اور لگے گا۔"

"ہم ایک منٹ تک انھیں نہیں کھولیں گے۔"

"لیکن یہ حکم عدولی ہو گی۔"

"آپ کے ملکی معاملات میں غیر ملکی لوگ ٹانگ اڑا رہے ہیں ۔ یہ بھی تو قانون نہیں ہے۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"ہوں ٹھیک ہے ۔ ہم ایک منٹ تک انھیں اور نہیں کھولیں گے ۔ اب چاہے کچھ ہو جائے۔"

عین اسی وقت ان چاروں کی آوازیں ان کے کانوں میں پہنچنے لگیں؛ وہ کہہ رہے تھے:

"ہم ۔۔ بتاتے ہیں ۔ خدا کے لیے ہمیں اس عذاب سے نجات دلا دیں ۔ ہم بتاتے ہیں۔"

وہ دوڑ کر ان تک پہنچے ۔ فون دوسرے کمرے میں اٹھا کر پہلے ہی رکھ دیا گیا تھا۔

"ہاں ۔ بتاؤ۔"

"پہلے کھول دو۔" وہ چلائے۔

"نہیں ۔ پہلے تم بتاؤ گے ۔۔ اس کے بعد ہم کھولیں گے۔"

"وہ ۔۔ یہ حکم ہمیں ۔ ہمارے کمانڈر نے دیا تھا۔"

"کیا!!!" وہ دھک سے رہ گئے۔

ساتھ ہی کرنل فون کی طرف دوڑا گیا اور ملازمین کو اشارہ کر گیا کہ

انھیں کھول دیا جائے۔ ریسیور اٹھاتے ہی اس نے کہا:

"ہیلو سر۔ آپ کے حکم کے مطابق ان لوگوں کو کھول دیا گیا ہے۔"

"ان میں سے کسی سے بات کرائیں۔"

ملٹری آفیسر کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کے بعد کہا:

"بہتر سر۔ میں ابھی لے کر آتا ہوں۔"

اب وہ ان کی طرف آیا:

"قاضی صاحب ان سے خود بات کرنا چاہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے یہ لوگ انھیں سب کچھ بتا دیں گے۔"

"لائیے۔ میں بات کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر محمود فون کی طرف بڑھ گیا۔ دوسرے لمحے اس کی بدلی ہوئی آواز سنائی دی:

"میں اس طرف موجود ہوں جناب۔ ان چار میں سے ایک!"

"تم لوگوں کو شکنجے سے نکال دیا گیا ہے یا نہیں؟"

"ہاں جناب۔ نکال دیا گیا ہے۔"

"فوراً سرحد کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ کمانڈر صاحب سے جا کر مل لو۔"

"جی بہت اچھا۔" اس نے کہا۔

دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ انھوں نے سوالیہ انداز

میں ان کی طرف دیکھا:

"ٹھیک۔ تم جا سکتے ہو۔" کرنل نے بجھی بجھی آواز میں کہا۔

"اب اپنے انجام کا انتظار کریں۔ آپ کے فوجی آپ کو گرفتار کرنے کے لیے آئیں گے۔" ایک نے کہا اور پھر چاروں باہر نکل گئے۔

"یہ کیا ہوا۔ کمانڈر نے ہی انھیں حکم دیا تھا کہ پروفیسر اکرام اللہ کو اغوا کر لاؤ اور وہ کھلونا بھی حاصل کر لو۔ اب ان لوگوں کو قاضی کی طرف بھیج دیا ہے۔ آخر قاضی صاحب کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا وہ بھی پہلے قاضی کی طرح غدار ہیں؟"

"ایک منٹ۔ میں بات کرتا ہوں۔" محمود نے کہا اور فون پر قاضی کے نمبر ملائے۔ سلسلہ ملتے ہی اس نے کہا:

"قاضی صاحب۔ میں محمود بول رہا ہوں۔ انسپکٹر جمشید کا بیٹا۔ آپ کو معلوم ہے۔ ان چاروں کو کیوں گرفتار کیا گیا تھا؟"

"ہاں! معلوم ہے۔ ان پر الزام ہے کہ انھوں نے پروفیسر اکرام اللہ کو اغوا کیا ہے اور وہاں سے ایک اہم کھلونا بھی اڑا لیا ہے۔"

"اور کیا آپ کا خیال ہے کہ یہ صرف الزام ہے، حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔" محمود بولا۔

"یہ بات بھی نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ انھوں نے یہ جرم کیا ہے۔"

"تب پھر آپ نے انھیں رہا کرنے کا حکم کیوں دیا؟"

"بھئی اپنے کرنل صاحب کے ساتھ یہیں آ جاؤ۔ فون پر نہیں بتا سکتا۔" دوسری طرف سے ہنس کر کہا گیا۔

"جی بہت بہتر۔ ہم آ رہے ہیں۔"

وہ قاضی کے پاس پہنچ گئے۔

"میں اس وقت ملک کا نہ صرف قاضی ہوں۔ بلکہ امیر بھی ہوں اور میرا کام ہے۔ ملک کو بچانا۔ ان چاروں کو رہا کر کے میں نے ملک کو بچانے کی کوشش کی ہے۔ کمانڈر صاحب نے مجھے فون پر ساری صورت حال بتائی تھی۔ سرحد پر دشمن فوجوں کا بے تحاشا اژدھام ہے۔ ان کی تیاریاں اس قدر خوفناک ہیں کہ ملک خطرے میں پڑ گیا ہے۔ کمانڈر صاحب نے ان کی بات سن کر، ان کا مطالبہ سن کر مجھ سے بات کی۔ ان کا مطالبہ صرف اتنا تھا کہ ان چاروں ملزموں کو چھوڑ دیا جائے تو یہ جنگ ٹل سکتی ہے۔ ورنہ نہیں۔ لہٰذا میں نے سوچا۔ اگر ہم صرف ان چار مجرموں کے لیے پورے ملک کو کیوں خطرے میں ڈالیں۔ ان کے لیے کوئی اور راستا اختیار کر لیا جائے گا۔ کیا میں نے غلط کیا؟"

"آپ کو معلوم ہے۔ انھوں نے کسی کے حکم پر پروفیسر اکرام اللہ کو اغوا کیا تھا۔" محمود نے پوچھا۔

"نہیں! یہ بات میرے علم میں نہیں۔"

"تب پھر سن لیں۔ کمانڈر صاحب نے ہی انھیں یہ حکم دیا تھا۔"

"کیا۔ نہیں۔" قاضی صاحب زور سے چلائے۔ پھر اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔ انھوں نے ضرور غلط بیانی کی ہے۔"

"وہ اس وقت شکنجے میں کسے ہوئے تھے سر۔ اور شکنجہ آخری نقطے پر تھا۔ ایسے میں وہ جھوٹ بول ہی نہیں سکتے تھے۔ ماہرین نے اس شکنجے کی یہی تو خوبی بتائی ہے۔"

"اگر ایسا ہے۔ تو یہ بات انتہائی خوفناک ہے۔ اور ہمیں ابھی وقت کمانڈر سے ملاقات کرنا ہو گی۔"

"ہمیں بھی ساتھ لے چلیں۔ لیکن اپنے ساتھ خفیہ فورس کو لے جانا ہو گا، کہیں ہم خود وہاں نہ پھنس جائیں۔"

قاضی نے اپنا خاص لباس پہنا اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ سرحد پر پہنچتے ہی انھوں نے کمانڈر کے خیمے کا رخ کیا۔ دور سے ہی انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ اب دشمن کی تعداد معمول کے مطابق نظر آ رہی تھی۔ گویا۔ زائد فوجی واپس چلے گئے تھے۔ کمانڈر کے خیمے کے دروازے پر دو فوجی موجود تھے۔ جونہی انھوں نے قاضی کو دیکھا۔ ان میں سے ایک اندر کی طرف لپکا۔ اور پھر کمانڈر گھبراہٹ کے عالم میں باہر نکل آیا:

"سر آپ۔ آپ نے کیوں زحمت کی۔ مجھے بلا لیا ہوتا۔"

"کچھ کام انسان کو خود بھی کرنا چاہییں۔ آپ نے ان چاروں کو رہائی دلا کر کچھ اچھا نہیں کیا۔" قاضی نے کہا۔

"میرے خیال میں تو یہ بہت ہی اچھا ہوا ہے۔ ایک خوفناک جنگ ٹل گئی ہے۔"

"لیکن کمانڈر صاحب۔ ہم اس جنگ کو آخر کب تک ٹالیں گے، یہ جنگ تو ہمیں لڑنا ہی ہو گی۔"

"نہیں سر۔ اب اس جنگ کا کوئی خطرہ نہیں۔"

"فرض کر لیتے ہیں۔ میں آپ کو گرفتار کر لوں۔ تو کیا اس صورت میں بھی یہ جنگ ٹلی رہے گی۔" قاضی صاحب مسکرائے۔

"جی۔ کیا مطلب۔" کمانڈر نے بوکھلا کر کہا۔

"ہم ایک ضروری بات کرنے آئے ہیں۔ ان چاروں کو بلائیے ذرا۔"

"جی بہتر۔" اس نے تالی بجائی۔ باہر کھڑا ایک فوجی اندر داخل ہوا۔

"ان چاروں کو بلا لاؤ۔ جن کو گرفتار کر کے شہر لے جایا گیا تھا۔"

"جی اچھا۔" اس نے کہا اور چلا گیا۔ جلد ہی وہ چاروں اندر داخل ہوئے۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"ان سے پہلے یہ پوچھیے۔ انھوں نے پروفیسر اکرام اللہ

کو کس کے کہنے پر اغوا کیا تھا۔"

"کیوں بھئی۔ کس کے کہنے پر اغوا کیا تھا۔" کمانڈر بولا۔

"آپ کے کہنے پر۔"

"شاباش۔ اب میرے کہنے پر قاضی صاحب اور ان چاروں کو بھی گرفتار کر لو۔"

"خبردار۔ کمانڈر۔ آپ ہوش میں تو ہیں۔"

"میں ہوش میں ہوں۔ آپ کو اب ہوش آئے گی۔ آپ نہیں جانتے۔ کہاں کھڑے ہیں۔ کمانڈر کے خیمے میں۔ یہاں آپ کی نہیں۔ میری حکومت ہے۔ اب آپ بھی غائب ہو جائیں گے۔ ملک کو نئے امیر اور نئے قاضی کی ضرورت ہو گی۔ اب قاضی بھی میں ہوں گا۔ اور امیر بھی۔ پھر ہم دیکھیں گے۔ کہ کس طرح امیر کے حادثے کی تحقیقات ہوتی ہیں۔"

"تو یہ سارا کام تحقیقات کو روکنے کے لیے ہو رہا ہے۔"

"ہاں! کچھ بڑی طاقتیں نہیں چاہتیں کہ اس حادثے کی تحقیقات کی جا سکیں۔"

"کچھ بڑی طاقتیں تو نہیں چاہتیں۔ لیکن آپ کو کیا ہوا۔ آپ غداروں کی صف میں کس طرح شامل ہو گئے۔ کیا ساری فوج غدار ہو گئی۔"

نہیں — میں اور چند میرے ساتھی — بے چاری فوج کے تو فرشتوں کو علم نہیں — کیا ہو رہا ہے — اور کیا نہیں؟"

"تو کیا تم شروع سے غدار چلے آ رہے ہو؟"

"نہیں — میں غدار نہ پہلے تھا نہ اب — میں تو اس ملک کا خیر خواہ ہوں — اسے بچانا چاہتا ہوں — اس ملک کے لیے وجود تو آپ جیسوں کا خطرناک ہے — جو بڑی طاقتوں سے ٹکر لینے کے لیے تیار رہتے ہیں اور ان سے ذرا بھی نہیں ڈرتے — امیر کو بھی اسی لیے ہلاک کیا گیا ہے — اب دیکھیے گا — بڑی طاقتیں کس طرح ہمارا ساتھ دیتی ہیں۔"

"تم — تم ان طاقتوں کی پڑھائی ہوئی پٹی میں آ گئے ہو — سمجھنے کی کوشش کرو — اس طرح وہ لوگ اسلام کے سر میں کیل ٹھونک دینا چاہتے ہیں۔"

"یہ آپ کی غلط فہمی ہے — انھیں اسلام سے کوئی خطرہ نہیں — بے چارہ اسلام بھلا ان بڑی طاقتوں کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔"

"افسوس! انھوں نے تمھارا دماغ بالکل الٹ دیا ہے" کہہ کر قاضی صاحب نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور خفیہ فورس نے خیمے کو گھیر لیا، کمانڈر اور اس کے ساتھی دھک سے رہ گئے، انھیں جکڑ لیا گیا۔

کیس ادھورا ہے

"عبدالکریم صاحب فوری طور پر کسی ماہر سائنس دان سے اس کھلونے کو چیک کرائیں — سیٹھ جالوت کو سخت نگرانی میں رکھا جائے اور جو سائنس دان کھلونے کو چیک کرے — اس کی حفاظت بھی بہت ضروری ہے — آپ دیکھ ہی رہے ہیں — سازشی لوگ کہاں تک پہنچے ہوئے ہیں۔"

"جی ہاں! میں سمجھ گیا ہوں۔"

ان کی ہدایات پر فوری عمل شروع کیا گیا — وہ امیر کے مکان پر اگر رپورٹ کا انتظار کرنے لگے — ایسے میں دستک کی آواز سنائی دی — جلد ہی ایک خادم کے ساتھ محمود، فاروق، فرزانہ اور چند ملٹری افسر اندر داخل ہوئے — ان میں قاضی سلمان فاروقی بھی تھے۔

"آپ کے بچوں نے تو کمال کر دیا جناب —" وہ بولے۔

"ان میں بس یہی بڑی بات ہے — کمال کرتے رہتے ہیں۔"

انسپکٹر جمشید منہ بنا کر بولے۔

"آپ تفصیلات تو سن لیں۔"

"خیر — سنا دیں — انھوں نے کیا تیر مارا ہے۔"

تمام حالات سنائے گئے — انسپکٹر جمشید کی آنکھوں میں حیرت پھیلتی چلی گئیں — آخر ان کے خاموش ہونے پر وہ بولے:

"یہ حالات حد درجے سنگین ہیں — میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا —

کمانڈر کی گرفتاری واقعی ایک کارنامہ ہے...... کمال ہے، کہ سازش کی جڑیں اس قدر گہری بھی ہو سکتی ہیں اور ان حالات سے ثابت ہوتا ہے — سازشی لوگ دراصل حکومت کا تختہ الٹنے کا پروگرام بنا چکے تھے — امیر کی موت کے بعد کمانڈر نئے امیر کو بھی قتل کر دیتا اور حکومت کی باگ ڈور سنبھال لیتا — پروگرام یہ تھا — خیر — ان کی سازش ناکام ہو گئی — لیکن ابھی ایک سوال رہتا ہے — اور وہ یہ ہے کہ امیر کا طیارہ کس طرح تباہ ہوا — اس سلسلے میں میں جہاں تک پہنچا ہوں، وہ حالات آپ لوگ سن لیں۔" یہ کہہ کر انھوں نے واقعات سنانے شروع کیے — لیکن ابھی شروع کیے ہی تھے

کہ قدموں کی آواز سنائی دی — اور سادہ لباس والے اندر داخل ہوئے انھوں نے کھلونا ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا:

"رپورٹ حاضر ہے۔"

"ہائیں! یہ تو وہی بھالو ہے۔" محمود چلا اٹھا۔

"یہ — یہ کیا — ان کا تو کہنا تھا — انھوں نے پروفیسر اکرام اللہ کے ساتھ کھلونے کو بھی سمندر میں غرق کر دیا۔" فاروق ہکلایا۔

"انھوں نے جھوٹ بولا تھا — پروفیسر کو ضرور انھوں نے سمندر میں ڈالا ہوگا — کھلونے کو نہیں — اور حالات سنانے سے پہلے میں ذرا اس رپورٹ کو پڑھ لوں۔"

انھوں نے جلدی جلدی رپورٹ شروع کی — ہر آن ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں، آخر انھوں نے کہا:

"انتہائی حیرت انگیز — یہ کھلونا نہیں — ایک بہت طاقت ور ریموٹ کنٹرول آلہ ہے — ایسا معلوم ہوتا ہے — امیر کے طیارے میں رکھا گیا بم — ریموٹ کنٹرول تھا — ریاض قدیہ ایرپورٹ پر صرف اس لیے موجود تھا کہ اس آلے کا بٹن دبا دے — جونہی اس نے بٹن دبایا — جہاز پھٹ گیا۔" انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے — چند لمحے تک سکتے کا عالم طاری رہا، پھر محمود بولا:

«لیکن پھر سیٹھ جالوت رومی ایئرپورٹ پر کیا کر رہا تھا۔»

«ریاض قدیر کی نگرانی — کہ وہ اپنا کام عین وقت پر سرانجام دیتا ہے یا نہیں — جونہی اس نے بٹن دبایا — سیٹھ جالوت رومی وہاں سے کھسک گیا، لیکن ادھر تم لوگ ریاض قدیر کے ساتھ الجھ گئے — اور اس طرح کھلونے کا چکر چلا۔»

«چلیے خیر — یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ بم کو ریموٹ کنٹرول کے ذریعے چلایا گیا — سازشی لوگ بھی سامنے آ گئے — بلکہ گرفتار ہو گئے — سوال یہ ہے کہ بم طیارے میں رکھا کس نے۔»

«اب ہم گرفتار شدہ لوگوں سے سوالات کریں گے — اور جہاز کے عملے سے بھی ایک بار پھر سوالات کریں گے — اس آدمی کا کھوج لگانا بہت ضروری ہے — جس نے بم طیارے میں رکھا تھا۔» انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

«معاف کیجیے گا ابا جان — میں بھی کچھ کہنا چاہتی ہوں۔»

«ضرور — کیوں نہیں۔» وہ مسکرائے۔

«طیارے میں سفر کرنے والوں میں سے بھی تو کوئی طیارے میں بم رکھ سکتا تھا۔»

«کیا کہہ رہی ہو بھئی — اس قدر قربانی کا جذبہ رکھنے والے لوگ کہاں ملتے ہیں — اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں کو طیارے میں سفر کرنا تھا — ان کی تلاشی نہیں لی گئی تھی۔

اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی — ظاہر ہے — اپنے جسم کے چیتھڑے اڑانے کی کون ہمت کر سکتا ہے — لہٰذا ان میں سے کوئی بم ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا — ایسا بھی نہیں ہوا کہ عین وقت پر کوئی طیارے سے اتر آیا ہو — ہم خود وہیں موجود تھے — اب بھی کہا جا سکتا ہے — ان میں سے کوئی اپنی زندگی سے بہت تنگ تھا — اس نے کسی بڑے لالچ کے بدلے میں — ارے ہاں — یاد آیا — طیارے کے کپتان کے اکاؤنٹ میں دو کروڑ روپے جمع تو کرا دیے گئے ہیں — خیر فرض کر لیتے ہیں — وہ زندگی سے بہت تنگ آیا ہوا تھا — اس کے حالات سازشی لوگوں نے کسی طرح معلوم کر لیے اور اسے پیشکش کی کہ تمہارے بیوی بچوں کو دو کروڑ روپے اگر مل جائیں تو کیا تم اپنی زندگی کا خاتمہ کر سکو گے — اس نے یہ سودا منظور کر لیا — اور بم ساتھ لے کر چلا گیا — کیا خیال ہے۔»

«ایسا ہو سکتا ہے — بشرطیکہ کپتان صاحب واقعی زندگی سے تنگ رہے ہوں۔»

«یہ بات ہم ابھی فون کے ذریعے معلوم کر لیتے ہیں۔» عبدالکریم نے کہا۔

کپتان کے گھر فون کیا گیا — رسیور انسپکٹر جمشید نے اپنے

ہاتھ میں لے لیا اور بولے:

"دیکھیے — ہم طیارے کے حادثے کی تحقیقات کر رہے ہیں اس سلسلے میں آپ کے پاس آئے بھی تھے — کپتان صاحب اپنی زندگی سے خوش تھے یا ناخوش — اگر ناخوش تھے تو کس حد تک۔"

"وہ بہت پرسکون زندگی گزار رہے تھے، بہت پرلطف — انھیں اپنے حالات سے کوئی شکایت نہیں تھی۔" کپتان کی بیوی نے بتایا۔

"شکریہ! ہو سکتا ہے — انھیں گھر سے باہر کوئی پریشانی رہی ہو۔"

"ایسی بھی کوئی بات نہیں۔"

"اچھا! بہت بہت شکریہ۔"

انھوں نے ریسیور رکھ دیا اور ان کی طرف مڑے:

"زندگی سے بیزار ہونے والا معاملہ ثابت نہیں ہو سکا۔ تب پھر ہمیں یہ معلوم کرنا ہو گا کہ بم کس نے لگایا" محمود نے کہا۔

"ہاں! ہم ایک سرے سے تمام مشکوک لوگوں کو چیک کریں گے — ان لوگوں کو — جو طیارے کی نگرانی کرتے رہے ہیں — خاص طور پر انھیں — جو رات کو ڈیوٹی دیتے رہے ہیں —

ہو سکتا ہے — یہ کام رات کی تاریکی میں کیا گیا ہو — بم ریموٹ کنٹرول تھا — وقت سے پہلے پھٹنے کا تو ڈر ہی نہیں تھا — لہٰذا انھیں خاص طور پر چیک کرنا چاہیے — پہلے ہم نے ان پر خاص توجہ نہیں دی تھی — پھر — صفائی کا عملہ — ان کی بھی سختی سے چیکنگ ضروری ہے۔"

"اس کا مطلب ہے — اس قدر کام کرنے کے باوجود ابھی تک کیس ادھورا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کوئی پروا نہیں — ہو جائے گا مکمل۔"

"آپ لوگ ہمارے لیے انتظامات کر دیں — تمام متعلقہ لوگوں کو ایک عمارت میں جمع کر لیں — ہم بھی وہیں آ جائیں گے اور زور شور سے اپنا کام کر سکیں گے۔"

"بہت بہتر!" عبدالکریم اور سلمان فاروقی ایک ساتھ بولے۔

اب وہ سب کافی پرجوش نظر آ رہے تھے — کیوں کہ سازش کے کافی مہرے پکڑے جا چکے تھے۔

"اور ہاں! گرفتار شدہ لوگوں کو بھی اسی عمارت میں پہنچا دیں — انھیں بھی ٹٹولنا ہو گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

تین گھنٹے بعد انھیں اس عمارت میں لایا گیا، عمارت کے گرد زبردست پہرہ مقرر کر دیا گیا تھا — اندر موجود سب لوگ سہمے ہوئے

تھے — یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید نے اعلان کیا:

"آپ لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں — ہمیں تو صرف ایک آدمی کی تلاش ہے — اس سلسلے میں ہم بے گناہوں پر کوئی سختی نہیں کریں گے — بلکہ ہم اپنے طریقے سے سراغ لگانے کے عادی ہیں — کبھی کبھار شکنجے وغیرہ کسنے کی ضرورت پیش آتی ہے —"

اس اعلان کے بعد انھوں نے الگ الگ اپنا کام شروع کیا — انسپکٹر جمشید کے حصے میں سب سے پہلے سیٹھ جالوت رومی آیا —

"سیٹھ صاحب — اس میں تو اب کوئی شک نہیں رہا کہ آپ اس سازش میں برابر کے شریک تھے — دنیا کی کوئی عدالت آپ کو اس الزام سے بری قرار نہیں دے سکتی — چاہے آپ دنیا کا ماہر ترین وکیل کر لیں — کیا آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔"

"ہاں! بالکل۔" اس نے کہا۔

"عدالت آپ کو عمر قید یا پھانسی کی سزا سے کم نہیں دے گی۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" اس نے مردہ آواز میں کہا۔

"لیکن ایک طریقہ ہے — اس طریقے پر عمل کر کے آپ بہت ہی ہلکی سزا پا سکتے ہیں — جو بہت جلد ختم ہو جائے گی اور آپ آزاد

فضا میں سانس لے سکیں گے۔"

"اوہ — وہ — وہ کیا طریقہ ہے۔" اس نے چونک کر کہا۔

"یہ کہ جو میں پوچھوں — سچ سچ بتا دیں — اس صورت میں مَیں وعدہ کرتا ہوں — سزا بہت معمولی ملے گی، یہ بھی ہو سکتا ہے بالکل نہ ملے۔"

"اچھا پوچھیے — جو کچھ مجھے معلوم ہو گا — ضرور بتاؤں گا۔"

"امیر کے خلاف سازش کرنے والا ملک کون سا ہے؟"

"انشارجہ —" اس نے فوراً کہا۔

"اس بات کا کوئی ثبوت دے سکیں گے آپ؟"

"ہاں! کیوں نہیں — یہ تو آپ جان چکے ہیں کہ اس سازش میں مَیں برابر کا شریک ہوں، اب اگر میرا تعلق انشارجہ سے ثابت ہو جائے تو میری بات میں آپ کو کوئی شک رہ جائے گا؟"

"نہیں! اس صورت میں کوئی شک نہیں رہ جائے گا۔"

"تب پھر میرے گھر چلے جائیں — میرے کمرے میں ایک قدرتی منظر کا فریم لگا ہوا ہے — اس فریم کو اکھاڑ ڈالیے — تصویر اور گتے کے درمیان میں رکھے کاغذات میری بات کو ثابت کر دیں گے۔"

"بہت خوب — قاضی صاحب — یہ کام فوراً کرا ڈالیے۔"

"بہت بہتر!" قاضی صاحب بولے اور اپنے ماتحتوں کو ہدایات دے کر روانہ کیا۔

"اب صرف ایک بات اور اس کے بعد آپ کی سزا بالکل ہی ختم ہو جائے گی — اور وہ یہ کہ جہاز میں بم کس نے رکھا تھا؟"

"افسوس! میں نہیں جانتا۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"انشارجہ اس قسم کے کام بہت ہی عجیب و غریب طریقوں سے لیتا ہے — کوئی نہیں جانتا — اس کے علاوہ اور کون کون فلاں منصوبے پر کام کر رہا ہے — کس کی ڈیوٹی کہاں کہاں ہے" اس نے کہا۔

"آپ ریاض قدیر کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟"

"اس کی نگرانی کا حکم مجھے ملا تھا — اسے ایک خاص وقت پر ریموٹ کنٹرول آلے کا بٹن دبانا تھا — بس — اس کے علاوہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں —"

"کیا خیال ہے — ریاض قدیر یہ بات بتا سکتا تھا کہ بم کس نے رکھا تھا؟"

"ہرگز نہیں — اُسے تو صرف اپنے حصے کا کام کرنا تھا۔"

"ہوں! پھر آخر ایسا کون ہے — جو ہمیں یہ بات بتا سکے — آخر کسی نہ کسی نے تو بم رکھا ہی تھا۔"

"افسوس! یہ بات میرے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں۔"

"آپ کی سزا کی کمی کا انحصار اس سوال کے جواب پر ہی ہے — یہ درج لیں۔"

"میری قسمت — جب یہ بات مجھے معلوم ہی نہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" اس نے مایوس ہو کر کہا۔

"خیر — ہم مان لیتے ہیں کہ آپ کو یہ بات معلوم نہیں — لیکن اس طرح آپ ہمارے کچھ بھی کام نہیں آئے۔"

"ٹھیک ہے — میں بھی یہ بات مان لیتا ہوں۔" اس نے اداس انداز میں کہا۔

اس سے مایوس ہو کر انسپکٹر جمشید کمانڈر کی طرف مڑے:

"آپ نے اس سازش میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے، اگر آپ ہمیں یہ بتا دیں کہ بم کس نے رکھا تھا تو آپ کی سزا میں کافی حد تک کمی کرا دی جائے گی۔"

"معلوم نہیں — معلوم ہوتا بھی تو نہ بتاتا — مجھے سزا کی کمی سے کوئی دلچسپی نہیں۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"آپ نے کیا کہا — معلوم ہوتا تو بھی نہ بتاتا؟"

"ہاں! ٹھیک ہے — میں نے یہی کہا ہے۔"

"گویا آپ کو اس ملک سے نفرت ہے۔"

"ہاں! میں یہاں کی پیداوار نہیں ہوں — میں انشارجہ میں

پیدا ہوا تھا۔ لیکن مجھے بچپن میں ہی یہاں کا روپ دیا گیا۔ میری
وضع قطع میرا حلیہ یہاں کے مطابق بنایا گیا۔ یہاں کی زبان
میں ماہر بنایا گیا۔ یہاں تک کہ مجھے خفیہ طور پر یہاں داخل
کرایا گیا۔ اس طرح کہ میرے پاس کاغذات بھی موجود تھے۔
نقلی نہیں۔ بالکل اصلی۔ جو یہیں سے تیار کرائے گئے تھے۔
ایسے کام انشارجہ والے اپنے آدمیوں سے کرا لیتے ہیں۔ جیسے
کہ مجھ سے کراتے رہے ہیں۔ ان حالات میں بھلا مجھے اس
ملک سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔"

"ہوں۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ آپ کے یہ الفاظ ٹیپ
بھی کر لیے گئے ہیں۔ اب آپ کو پھانسی کی سزا سے کوئی بڑی
طاقت بھی نہیں بچا سکے گی۔"

"بھول ہے آپ کی۔ آپ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں
گے۔ میری حکومت کو باعزت سونپنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

"اچھا۔ ایسی بات۔" قاضی سلمان فاروقی نے منہ بنایا۔

"ہاں! یہاں کے قاضی ہماری مٹھی میں ہیں۔"

"تب پھر آپ کو حالات معلوم نہیں۔ اب قاضی یہ ہیں۔
وہ قاضی گرفتار کر لیے گئے ہیں۔"

"کیا۔ نہیں۔" وہ خوف زدہ آواز میں چلایا۔

"اب آپ کا کیا خیال ہے۔ ہم آپ کو سزا دے سکیں

گے یا نہیں؟"

"نہیں۔ اب بھی نہیں۔ میرے ملک کا اس قدر دباؤ آپ پر
پڑے گا۔ کہ آپ مجھے رہا کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

"جب ایسا وقت آ جائے۔ ہمیں اطلاع ضرور دے
دیجیے گا۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

اس نے فاروق کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا:

"آنکھوں ہی آنکھوں میں کہہ رہے ہیں۔ تمھیں ہرگز نہیں
چھوڑوں گا۔" محمود مسکرایا۔

"چھوڑیں گے تو تب نا۔ جب خود چھوٹیں گے۔ ہم انشارجہ
کا دباؤ نہیں مانیں گے۔ یہ مکمل طور پر اسلامی ملک ہے۔"
فاروق بولا۔

"ہاں بالکل۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ ہم پر
کوئی دباؤ پڑے۔ انھیں ٹھکانے لگا دینا چاہیے۔ کیا خیال
ہے آپ کا۔" عبدالکریم نے قاضی صاحب کی طرف دیکھا۔

"میں ایسا کرنے کی ہدایت کرتا ہوں۔ اسی وقت عمارت
سے باہر لے جا کر گردن مار دی جائے۔" قاضی صاحب نے غرا
کر حکم دیا۔ کمانڈر کا رنگ اڑ گیا۔ شاید اسے ایک فیصد بھی
امید نہیں تھی کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک بھی ہو سکتا تھا۔
اس نے اٹھ کر کہا:

"—میں معافی چاہتا ہوں۔"

"اس کام میں معافی کہاں — غداروں کو کبھی معاف نہیں کیا جاتا۔" قاضی صاحب نے کہا۔

"میں آپ کو انتہائی قیمتی باتیں بتا سکتا ہوں۔"

"پہلے آپ کہاں تھے — اب کیا بتا سکیں گے — چلیے یہ بتا دیں — بم کس نے رکھا تھا۔"

"یہ بات واقعی مجھے معلوم نہیں۔" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"تب پھر آپ ہمارے کیا کام آئیں گے — انھیں لے جاؤ۔ بھیجو اور غداری کا مزا چکھا دو۔"

کمانڈر چیختا رہ گیا — ملٹری پولیس اسے گھسیٹ لے گئی — چند سیکنڈ بعد ایک دل دوز چیخ ان کے کانوں میں لہرائی، اور انھوں نے جان لیا — کمانڈر کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔

"مسٹر سیٹھ جالوت — آپ کیا کہتے ہیں۔" قاضی صاحب اس کی طرف مڑے۔

"مم — میں کیا کہوں۔"

"بم کس نے رکھا تھا۔"

"مم — میں نہیں جانتا۔"

"ہوں — تو پھر آپ بھی دوسرے جہان تشریف لے جائیے۔"

"نن — نہیں — آپ مجھ سے وعدہ کر چکے ہیں — سزا کم کرانے کا۔"

"وہ اس صورت میں تھا — جب آپ ہمارے سوالات کے جوابات دئیے دیتے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے اشارہ کیا — ساتھ ہی انھوں نے محمود کو بھی کچھ اشارہ کیا۔

ملٹری پولیس سیٹھ جالوت کو گھسیٹ کر لے جانے لگی — محمود ان کے پیچھے باہر نکل گیا — جلد ہی پھر ایک چیخ گونجی۔

"اور اب باری ہے — صفائی کرنے والے عملے کی — باری باری آتے جائیں — اور بتاتے جائیں — بم طیارے میں کس نے رکھا تھا، نہ بتانے کی صورت میں موت کو گلے لگاتے جائیں۔"

"نن — نہیں — ہم — ہم بے قصور ہیں — جب ہم جانتے ہی نہیں تو بتا کس طرح سکتے ہیں۔" وہ ایک ساتھ چلانے لگے۔

"خاموش! ہم نہیں مانتے کہ یہ بات کسی کو بھی معلوم نہ ہو — ضرور کسی نہ کسی کو معلوم ہو گی — بس ہمیں اس کی تلاش ہے — تاکہ ہم سازش کی جڑوں کو اکھاڑ دیں۔"

"افسوس! ہم آپ کو کسی طرح بھی یقین نہیں دلا سکتے —" ایک نے کہا۔

"ہم بھی اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے — انکار کرتے ہوئے آگے بڑھتے جاؤ۔"

ان کے جسموں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ انھیں گھسیٹ گھسیٹ کر لے جایا جانے لگا:

"یہ۔ یہ ظلم ہے۔ ہم کہہ چکے ہیں۔ نہیں جانتے۔ آخر ہمیں چھپا کر اب کیا مل جائے گا۔ موت کے گھاٹ تو اتارے جا رہے ہیں ہم۔"

"ہم بھی مجبور ہیں۔ کسی کو معلوم ضرور ہے۔ اسے چاہیے کہ سب کی جانیں بچا لے اور بتا دے۔"

"ہم۔ ہم درخواست کرتے ہیں۔ اگر کسی کو معلوم ہے تو بتا دے۔ جانیں ضائع کرانے کا اب کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

وہ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ لیکن ہر کسی نے نفی میں سر ہلا دیا:

"لے جاؤ بھئی۔ یہ اس طرح نہیں مانیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

"آپ ایک آدمی کی خاطر اتنے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتاریں گے۔" ایک نے چیخ کر کہا۔

"ہاں! میں ہر قیمت پر یہ معلوم کرنا ہے کہ بم کس نے رکھا تھا۔"

"اُف۔ یہ ہم کس مصیبت میں پھنس گئے۔" وہ چیخنے لگے۔ انھیں گھسیٹ کر باہر لے جایا جانے لگا۔ وہ ایک

ایک کے چہرے کا جائزہ لے رہے تھے۔ کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ اسے معلوم ہے۔ بم کس نے رکھا تھا۔ آخر میں صرف ایک آدمی اندر رہ گیا۔ اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

"مسٹر۔ آپ جہاز کی نگرانی کرنے والوں میں موجود تھے۔ اور رات کے وقت آپ کی ڈیوٹی تھی۔ ٹھیک ہے۔"

"ہاں جناب!"

"سب لوگ مارے جا چکے ہیں۔ صرف آپ باقی رہ گئے ہیں۔ موت چاہیے یا سوال کا جواب؟"

"میں سوال کا جواب دوں گا۔"

"کیا کہا؟" وہ دھک سے رہ گئے۔

"ہاں! میں آپ کے سوال کا جواب دوں گا۔" وہ چیخا۔

"تو پھر جواب دو، چیخنے کی کیا ضرورت ہے۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ جہاز اس قدر زبردست نگرانی میں رہا کہ کوئی بم رکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اور نہ کسی نے بم رکھا۔"

"تب پھر جہاز کس طرح تباہ ہو گیا؟"

"اس کے انجن میں خرابی ہو گئی ہو گی۔"

"جہاز کے چار انجن تھے۔ کسی ایک میں خرابی ہو جانے سے

کوئی فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔"

"ہو سکتا ہے۔ چاروں میں خرابی پیدا ہو گئی ہو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جہاز اڑانے سے پہلے انجن کو چیک کیا جاتا ہے۔"

"خیر۔ پھر آپ بتا دیں۔ بم کوئی کس طرح رکھ سکتا تھا۔"

"نگرانی کرنے والے عملے میں سے کوئی یہ کام آسانی سے کر سکتا تھا۔ اور وہ آپ کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آخر میں صرف آپ بچے ہیں۔"

"اگر بم میں نے رکھا تھا تو پھر مجھے یہ بات بتا دینی چاہیے تھی۔ کیونکہ چھپا کر میں کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکوں گا۔"

"ہوں۔ تب پھر اگر تم نے بم طیارے میں نہیں رکھا تھا۔ تو جھوٹ موٹ ہی کہ دو کہ میں نے رکھا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے عجیب بات کہی۔

"جی۔ اس سے آپ کو بھلا کیا فائدہ ہو گا۔"

"فائدہ اور نقصان کی بات چھوڑیں۔ بات بتائیں۔"

"نہیں! میں نے نہیں رکھا تھا۔ نہ میں نے کسی کو رات کے وقت طیارے میں سوار ہوتے دیکھا۔"

"ہوں! امتحان ختم ہو گیا۔ سب کو اندر بلا لیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی کیا فرمایا۔ امتحان ختم ہو گیا۔"

"ہاں! امتحان ختم ہو گیا۔"

دوسرا لمحہ حیران کن تھا۔

اندر موجود باقی لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔

"ویسے یہ تجربہ تھا بہت سنسنی خیز۔"

"جی ہاں! لیکن اس سنسنی خیز تجربے سے بھی ہم کوئی فائدہ
ل نہیں کر سکے — ہم یہ بات اب تک نہیں جان سکے کہ بم
س نے رکھا تھا۔"

"لیکن میں اس کیس کو حل کروں گا — مجھے طیارے کے
ارے میں تمام معلومات دی جائیں — اس کی تصاویر وغیرہ بھی —
ور یہ کہ اس جیسے اور کتنے طیارے خریدے گئے تھے — کب خریدے
گئے — وغیرہ وغیرہ۔"

"یہ معلومات آپ کو آدھ گھنٹے تک مل جائیں گے۔" عبدالکریم
نے فوراً کہا۔

"ٹھیک ہے — ہم بھی ذرا آدھ گھنٹے کے لیے آرام کر لیں
گے — جب سے اس کیس پر کام شروع کیا ہے — بے چارے آرام
نے ہمارا منہ تک نہیں دیکھا۔" فاروق بولا۔

"بے چارے آرام نے — آرام بھی بھلا بے چارہ ہو سکتا
ہے — تم شاید یہ کہنا چاہتے تھے — ہم بے چاروں نے آرام
کا منہ نہیں دیکھا۔" فرزانہ نے مذاق اڑانے کے انداز میں کہا۔

"غلط — بالکل غلط — آرام کا تو منہ ہوتا ہی نہیں — منہ تو
ہمارے ہوتے ہیں — لہٰذا میرا ہی جملہ درست تھا۔" فاروق نے
پر زور لہجے میں کہا۔

صرف ایک بٹن

جتنے لوگ موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے باہر لے جائے گئے
تھے — وہ سب کے سب زندہ سلامت اندر آ رہے تھے — ان
کے چہروں پر مسکراہٹیں ہی مسکراہٹیں تھیں۔

"یہ — یہ کیا — یہ سب زندہ ہیں؟" آخری آدمی بولا۔

"ہاں! باہر گونجنے والی چیخیں نقلی تھیں — اندر والوں کو یہ
احساس دلانے کے لیے کہ لوگوں کو باہر لے جا کر موت کے
گھاٹ اتارا جا رہا ہے — لیکن موت کے گھاٹ کسی ایک کو بھی
نہیں اتارا گیا — اس طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ آپ لوگوں
میں سے واقعی کسی نے بم نہیں رکھا — لہٰذا آپ جا سکتے
ہیں — اب آپ میں سے کسی کو اس سلسلے میں پریشان ہونے
کی ضرورت نہیں رہی۔"

ان میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی — عبدالکریم نے ایک لمبا
سانس کھینچ کر کہا:

"وقت تیرے کی — یہ آدھ گھنٹا تو یہیں پورا ہو جائے گا شاید۔ آرام گیا بھاڑ میں۔" محمود نے تلملا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"لو بھئی — اب آرام کو بھاڑ میں جھونکا جا رہا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اور کیا کیا جائے — اب خود کو تو جھونکنے سے رہے۔" فاروق مسکرایا۔

"میرا خیال ہے — ہمیں اٹھ جانا چاہیے — ورنہ آپ لوگ بھی معلومات حاصل کرنے سے رہ جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا — کیوں کہ باقی لوگ بھی ان کی باتوں کو بہت دلچسپی سے سننے لگے تھے۔

اور سب لوگ اٹھ گئے — آدھ گھنٹے بعد معلومات ان کے سامنے تھیں — اور وہ بغور ان کا مطالعہ کر رہے تھے — مطالعہ مکمل کر لینے کے بعد بھی انسپکٹر جمشید بہت دیر تک سوچ میں ڈوبے رہے پھر انھوں نے عبدالکریم سے کہا:

"میں اپنے ملک کے ایک سائنس دان سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

سب لوگ باہر چلے گئے — محمود، فاروق اور فرزانہ بھی۔ انھوں نے پروفیسر داؤد سے سلسلہ ملایا — ان کی آواز سنتے ہی انسپکٹر جمشید بولے:

"پروفیسر صاحب — آپ کا خادم بول رہا ہوں۔"

"کہاں ہو بھئی —" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

انھوں نے مختصر طور پر بتایا — پھر جو باتیں ان سے پوچھنا تھیں پوچھیں اور ریسیور رکھ دیا۔

"آپ لوگ اندر آ سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے۔

سب اندر آ گئے — انسپکٹر جمشید کے چہرے پر پر اسرار سی سنجیدگی طاری تھی۔

"میں کچھ دیر غور کروں گا — پھر اس معاملے سے پردہ اٹھاؤں گا — شاید ایک بہت ہی حیرت انگیز بات سامنے آنے والی ہے — اس قدر حیرت انگیز — کہ ہم نے کبھی سوچی بھی نہیں ہو گی — اگر میں بم رکھنے والے کا کھوج لگانے کے پیچھے نہ پڑتا اور ابھی جو تجربہ کیا، وہ نہ کرتا — تو شاید اس پہلو کی طرف کبھی توجہ نہ دیتا — آپ لوگوں کو میری یہ باتیں الجھن میں ڈال رہی ہوں گی — لیکن آپ فکر نہ کریں — اب صرف چند منٹ کے انتظار کی بات ہے — اس دوران سب لوگوں کو پھر سے جمع کر لیں — اس حادثے سے متعلق سبھی لوگ اگر یہاں موجود ہوں تو بہتر رہے گا۔"

اب وہ کمرے میں محمود، فاروق اور فرزانہ کے ساتھ تنہا رہ گئے — انھوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

"ہمیں تو کچھ بتا دیں۔ مارے سسپنس کے برا حال ہے۔"

"تمہیں بھی صبر کرنا ہو گا۔ ویسے تم ان رپورٹوں کو غور سے پڑھ لو۔ ہو سکتا ہے۔ تم کسی نتیجے پر پہنچ جاؤ۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ابا جان۔ آپ کسی نتیجے پر پہنچے ہیں پروفیسر انکل سے بات کرنے کے بعد۔"

"خیر۔ ان سے ہونے والی بات چیت بھی میں لکھ دیتا ہوں۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"خیر۔ یہ اتنا بھی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اصولی طور پر پہلے تمہیں ان معلومات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ پھر مجھے بتانا چاہیے کہ اب تم پروفیسر صاحب سے کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ جو سوالات میرے ذہن میں ابھرے تھے۔ اگر وہی تم پوچھنا چاہو۔ تب تو تمہیں اس گفتگو سے آگاہ کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔"

"آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے۔ ہمیں ابھی گفتگو کے بارے میں نہ بتائیں۔ پہلے ہم ان معلومات کا مطالعہ ہی کریں گے۔" محمود نے پر جوش انداز میں کہا۔

وہ مطالعہ کرنے لگے۔ انسپکٹر جمشید اپنی سوچ میں گم ہو گئے۔ اس طرح ایک گھنٹا گزر گیا۔ آخر انھوں نے سر اٹھا کر کہا:

"کیوں بھئی۔ تم پروفیسر صاحب سے کچھ سوالات کرنا چاہتے ہو۔"

"ہم ابھی تک وہ سوالات اپنے ذہنوں میں نہیں لا سکے ابا جان۔ ہمیں افسوس ہے۔" فرزانہ نے مایوسانہ انداز میں بولی۔

"اس میں افسوس کی کوئی بات نہیں۔ یہ بات تو آج تک کسی کے ذہن میں بھی نہیں آئی۔ چلو۔ سب لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"تو کیا آپ اپنا غور مکمل کر چکے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"ہاں! اب میرے ذہن میں کوئی الجھن نہیں رہی۔ تمام باتیں صاف ہو چکی ہیں۔ میں جان چکا ہوں۔ یہ حادثہ کس طرح ہوا ہے۔"

وہ باہر نکل کر اس ہال میں پہنچے۔ جہاں سب لوگ جمع تھے۔ ان کے لیے ایک سٹیج بنایا گیا تھا۔ جیسے وہ تقریر کرنے والے ہوں۔ سٹیج کو دیکھ کر وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ آخر وہ اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ سب کی نظریں انسپکٹر جمشید پر جمی تھیں۔ آخر ان کے لب ہلے:

"آپ سب۔ بلکہ آپ سبھی نہیں۔ پورا ملک۔ بلکہ پورا عالم اسلام یہ جاننے کے لیے بری طرح بے تاب ہے کہ

حادثہ کیسے ہوا۔ میں اس معاملے سے پردہ اٹھاتا ہوں۔ آپ لوگوں کو یاد ہو گا کہ ہمارے ملک میں بھی کچھ عرصہ پہلے بالکل اسی قسم کا حادثہ ہوا تھا۔ ہمارے صدر اور ان کے فوجی ساتھی اس طیارے میں سوار تھے۔ طیارہ ایئرپورٹ سے اڑا ہی تھا کہ زمین پر گر کر تباہ ہو گیا۔ طیارے کے مسافروں میں سے کوئی ایک بھی نہیں بچ سکا تھا۔ آپ لوگوں کو اچھی طرح یاد ہے نا۔"

"جی ہاں۔ بالکل یاد ہے۔" سب نے ایک ساتھ کہا۔

"اس اجلاس کی حفاظت کے لیے انتظامات تو کیے گئے ہوں گے۔"

"ہاں! فکر نہ کریں۔"

"شکریہ! یونہی خیال آ گیا۔ کہ شاید وہ بڑی طاقت اس راز کو اس ہال سے باہر نہ جانے دے لہٰذا ہم سب کو یہیں ختم کرا دے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔" عبدالکریم نے کہا۔

"آمین۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ وہ حادثہ بالکل اسی طرح پیش آیا۔ لیکن اس حادثے میں اور اس حادثے میں جو سب سے زیادہ زبردست مشابہت ہے۔ وہ یہ ہے کہ دونوں طیارے بھی بالکل ایک جیسے تھے۔"

"اوہ!" ہال میں موجود لوگ حیران رہ گئے۔

"اس بات کو ذہن میں رکھ کر میں نے بہت غور کیا۔ ہمارے حادثے میں بھی آج تک یہ بات معلوم نہیں کی جا سکی کہ بم طیارے میں کس نے رکھا۔ اور نہ اس حادثے میں یہ بات معلوم کی جا سکی۔ اپنے ملک میں تو خیر ہمیں تفتیش کا موقع ہی نہیں دیا گیا تھا۔ ورنہ شاید یہ راز ہم پہلے ہی جان لیتے، لیکن اس بار ہمیں کھل کر کام کرنے کا موقع ملا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملکی حد تک اس حادثے کے ذمے دار لوگ گرفتار کر لیے گئے۔ لیکن یہ کسی طرح معلوم نہ کیا جا سکا کہ بم کس نے رکھا تھا۔ جب کہ اس کی گرفتاری بہت ضروری تھی اور یہ معلوم کرنا انتہائی ضروری تھا کہ وہ شخص بم رکھنے میں کس طرح کامیاب ہو گیا۔ تاکہ آئندہ دشمنِ اسلام لوگ اس قسم کی کسی سازش میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ ہر طرح سے ناکام ہو کر میں نے طیارے کے بارے میں معلومات منگائیں۔ ان کا مطالعہ کیا۔ اس سے پہلے ہونے والے حادثہ کو ذہن میں تازہ کیا اور مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ دونوں جہاز بالکل ایک جیسے تھے۔ انشارجہ سے خریدے گئے تھے۔ دونوں میں بال برابر فرق نہیں تھا۔ یہ بھی اسلامی ملک ہے اور ہمارا ملک بھی اسلامی ہے اور انشارجہ بظاہر ہمارا دوست ہے۔ ہمیں اسلحہ اور دوسری چیزیں فراخ دلی سے فروخت کرتا

رہتا ہے، امداد بھی کرتا ہے، لیکن دراصل اس ظاہری دوستی کے
پردے میں، اسلام دشمنی کرنے کے اس کے مختلف طریقے اور انداز
ہیں، ان طریقوں اور اندازوں کو سمجھنا بہت مشکل ہے ــ یہ دشمنی
بہت خطرناک بھی ہوتی ہے ــ دراصل اس دوستی کے ذریعے یہ انہیں
مکمل طور پر غلام بنا لینا چاہتا ہے ــ انشارجہ چاہتا ہے ــ اسلامی
حکومتیں اس کے اشاروں پر چلیں ــ اب ظاہر ہے ــ جب اسلامی ملک
اس سے اسلحہ لیں گے، اس سے امداد لیں گے ــ تو اس کی
باتیں بھی ماننا ہوں گی ــ لیکن بعض باتیں ماننے کے قابل ہوتی
ہیں اور بعض ایسی ہوتی ہیں کہ ملک کے حق میں زہر ہوں ــ اب
ہر صدر یا وزیرِ اعظم یا امیر کے ایمان کی قوت بھی اپنی اپنی ہوتی
ہے ــ کوئی بلا چوں چرا انشارجہ کے احکامات مانتا چلا جاتا ہے ــ
کوئی کچھ باتیں مانتا ہے، کچھ نہیں مانتا ــ اور کوئی بالکل ماننے
سے انکار کر دیتا ہے ــ اس قسم کے حادثات ایسے صدروں،
وزیرِ اعظموں اور امیروں کے لیے ہوتے ہیں ــ جب کوئی
صدر انشارجہ کی کسی بڑی اور اہم بات کو تسلیم نہیں کرتا اور
اس بات کی وجہ سے انشارجہ کے مفادات کو نقصان پہنچنے والا
ہوتا ہے تو دھماکا ہو جاتا ہے ــ لیکن دھماکا اس انداز سے
ہوتا ہے کہ دنیا یہ سوچتی بھی نہیں کہ یہ حادثہ براہِ راست انشارجہ

نے کرایا ہے ــ مثال کے طور پر ہمارے ملک میں صدر کے
طیارے کو حادثہ پیش آیا تو اس میں انشارجہ کا اپنا بھی
ایک آدمی تھا ــ اب لوگوں نے فوراً کہ دیا ــ انشارجہ کا
تو یہ کام ہو ہی نہیں سکتا ــ اس کا تو اپنا آدمی اندر
تھا ــ لوگ یہ نہیں سوچتے ــ کہ یہ بڑے ملک ــ غیر مسلم
ملک اسلام کو نقصان پہنچانے کے سلسلے میں کبھی کبھار اپنے
آدمی کٹوا دیتے ہیں ــ اور پھر اس حادثے میں پروگرام تو
دراصل یہ تھا کہ انشارجہ کا سفیر عین وقت پر اتار لیا جائے ــ
لیکن اتفاق کی بات کہ اتارنے کی کوشش ناکام ہو گئی ــ
اس کی موت کا وقت آ گیا تھا ــ اور وہ بھی مر گیا ــ
ہم اس حادثے کے ذمے دار کچھ لوگوں کو گرفتار کر
چکے ہیں یا وہ انشارجہ کے جاسوسوں کے ذریعے موت کے
گھاٹ اتار دیے گئے ہیں ــ سوال صرف یہ رہ گیا تھا کہ
بم کس نے رکھا ہے ــ یہ معلوم کر کے ہم اس ناسور
کو گرفتار کرنا چاہتے تھے تاکہ آئندہ اس قسم کا حادثہ
نہ ہو سکے ــ لیکن ہم ایسا آدمی گرفتار نہیں کر سکے اور
کر بھی کس طرح سکتے تھے ــ جب کہ بم طیارے میں رکھوایا
ہی نہیں گیا ــ" یہاں تک کہ کر وہ ایک جھٹکے سے رُکے۔

"آپ نے کیا فرمایا۔ بم رکھوایا ہی نہیں گیا؟"

"ہاں! میں نے یہی کہا ہے۔ بم نہیں رکھوایا گیا، حقیقت بھی یہی ہے۔ اسی لیے تو ہم کوئی آدمی گرفتار نہیں کر سکے۔ ورنہ جس باریک بینی سے ہم نے سراغرسانی کی ہے۔ وہ آدمی بچ نہیں سکتا تھا۔"

"تب پھر جہاز کیسے اڑ گیا۔" محمود کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"اور۔ وہ شخص۔ یعنی ریاض قدیر جو ریموٹ کنٹرول آلہ لیے کھڑا تھا۔ وہ کس لیے کھڑا تھا۔" فاروق بولا۔

"اور سیٹھ جالوت دومی ریاض قدیر کی نگرانی کیوں کر رہا تھا۔" فرزانہ بولی۔

"میں ان باتوں کے جوابات دوں گا۔ فکر نہ کریں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن جناب۔ یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ طیارے میں بم تو رکھوایا گیا ہی نہیں اور طیارہ اڑ گیا۔"

"ہاں! یہ بات واقعی بہت عجیب ہے۔ پہلے میں بھی اس میں الجھ گیا تھا۔ لیکن جب ذہن میں اصل بات آئی تو معاملہ بالکل صاف ہو گیا۔ اور میں تو اب بھی دعوے سے کہہ سکتا

ہوں کہ ہمارے ملک میں صدر کے طیارے میں بھی بم نہیں رکھوایا گیا تھا۔"

"جی۔ کیا مطلب۔ آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔"

"بالکل سیدھی سی بات۔ دونوں طیاروں میں بم سرے سے رکھوایا ہی نہیں گیا۔ اور یہ بات بالکل سامنے کی ہے۔"

"تب پھر ریموٹ کنٹرول آلے سے کیا کام لیا گیا۔" فرزانہ نے بے تابانہ کہا۔

"ہاں! یہ ہے سوال۔ کہ ریموٹ کنٹرول آلے سے کیا کام لیا گیا۔ اور یہی بتانے کے لیے میں نے آپ لوگوں کو یہاں جمع کیا ہے۔ تاکہ آئندہ ہم اس پہلو پر بھی غور کر سکیں۔ دونوں طیارے انشارجہ سے خریدے گئے۔ انشارجہ میں تیار کیے گئے۔ انشارجہ کی حکومت کو پتا تھا کہ یہ طیارے انھیں کس کس ملک کے صدر کے لیے تیار کرنا ہیں۔ لہذا ان کے انجنوں میں پہلے ہی کچھ ایسے آلات فٹ کر دیے گئے کہ جب ضرورت پڑے۔ ان آلات کے ذریعے انجن جام کر دیے جائیں۔ اور ایسا ریموٹ کنٹرول آلے کی مدد سے کیا جائے۔ ان کے ریموٹ کنٹرول بھی ساتھ ہی تیار کیے گئے۔ البتہ وہ

حکومت کے پاس محفوظ رہے ۔ تاکہ جب ضرورت پڑے۔
اپنے ایجنٹوں کو دے کر ہدایات دے دی جائیں ۔
اب ذرا دیکھیے ۔ انھیں کرنا ہی کیا تھا ، صرف ایک بٹن
ہی تو دبانا تھا۔"

"اوہ!"

کمرے میں موجود تمام لوگ سکتے میں رہ گئے۔

جاسوسی سیر

کمرے میں بہت دیر تک موت کا سناٹا طاری رہا، پھر
کسی نے کہا:

"کس قدر سنسنی خیز انکشاف ہوا ہے ۔ ہم تو کبھی سوچ
بھی نہیں سکتے تھے۔"

"اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ موجودہ صدر، وزیر اعظم
یا امیر بھی محفوظ نہیں ہیں ۔ کیونکہ ان کے استعمال میں
بھی انشارجہ کے ہی طیارے ہیں۔" عبدالکریم نے کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے ۔ لیکن اب جب کہ ہم اس راز
کی تہ تک پہنچ چکے ہیں ۔ حفاظتی اقدامات کر سکتے ہیں،
ہمارے سائنس دان اس پہلو کو سامنے رکھ کر ہر طیارے
کا پہلے ہی مکمل طور پر جائزہ لے لیا کریں گے ۔ ہمارے
ملک میں بہت پائے کے سائنس دان موجود ہیں ۔ وہ یہ

کام باآسانی کر سکیں گے۔ جن اسلامی ملکوں کو ان کی خدمات کی
ضرورت ہو گی۔ ان کے ہاں بھی انھیں بھیج دیا جایا کرے
گا۔ دوسرے یہ کہ طیارے انشارجہ سے نہ خریدے جائیں۔
کچھ اور ملک بھی ہیں جو طیارے بناتے ہیں۔ ان سے سودا
کیا جائے۔ نہیں تو چیکنگ ہر حال میں کرائی جائے۔
اس طرح انشارجہ کی عقل بھی ٹھکانے آ جائے گی۔ اس
راز سے تمام اسلامی ملکوں کو خبردار کر دیا جائے۔"

"ایسا ہی کرنا ہو گا۔"

"اور اب چونکہ یہ کیس ختم ہو چکا ہے۔ اس لیے ہم
اجازت چاہیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہر کیس کے آخر میں اجازت چاہنے کا ویسے بھی ہمارا
کچھ اصول بنتا جا رہا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"کیا یہ مناسب نہیں رہے گا کہ آپ چند روز اور
ہمارے ساتھ گزاریں۔ ہم آپ کو یہاں کی سیر تک تو
کرا نہیں سکے۔" عبدالکریم نے کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہم یہاں سیر ہی تو کرتے
رہے ہیں اب تک۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں! لیکن جاسوسی سیر۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"دیکھیے۔ آپ کے یہ صاحب زادے یہاں ٹھہرنے کے

حق میں ہیں۔" عبدالکریم نے جلدی سے کہا۔

"یہ آپ نے کیا کہہ دیا۔ ڈانٹ پلوانے کا ارادہ ہے
کیا۔" فاروق گھبرا گیا۔

"ان کی آپ نے ایک ہی کہی۔ یہ تو ہر جگہ اٹکنے کا
ارادہ ظاہر کر دیتے ہیں۔ پہلے تو گھر سے چلتے وقت
منہ بنائیں گے اور پھر گھر کے لیے روانہ ہوتے وقت
بھی منہ بنائیں گے۔ ہے کوئی تُک۔"

"تُک کا ہونا اتنا ضروری بھی نہیں۔" فاروق نے جل
کر کہا۔

"ہاں۔ جلنا البتہ ضروری ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"میرے خیال میں اب ہمیں یہاں سے اٹھ ہی جانا
چاہیے۔ ورنہ ان کی مہابھارت شروع ہو گئی تو پھر
گئے ہم کام سے۔" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"کرنے دیجیے انھیں باتیں۔ بہت اچھے لگ رہے
ہیں۔" قاضی سلمان فاروقی نے کہا۔

"شکریہ جناب۔ آپ بہت اچھے ہیں۔" فاروق خوش
ہو گیا۔

"آپ پچھتائیں گے جناب۔" انسپکٹر جمشید نے گویا خبردار
کیا۔

"ویسے یہ تجربہ تھا بہت سنسنی خیز۔"

"جی ہاں! لیکن اس سنسنی خیز تجربے سے بھی ہم کوئی فائدہ
ل نہیں کر سکے — ہم یہ بات اب تک نہیں جان سکے کہ بم
ں نے رکھا تھا۔"

"لیکن میں اس کیس کو حل کروں گا — مجھے طیارے کے
رے میں تمام معلومات دی جائیں — اس کی تصاویر وغیرہ بھی —
ر یہ کہ اس جیسے اور کتنے طیارے خریدے گئے تھے — کب خریدے
ے — وغیرہ وغیرہ۔"

"یہ معلومات آپ کو آدھ گھنٹے تک مل جائیں گی۔" عبدالکریم
ے فوراً کہا۔

"ٹھیک ہے — ہم بھی ذرا آدھ گھنٹے کے لیے آرام کر لیں
گے — جب سے اس کیس پر کام شروع کیا ہے — بے چارے آرام
ے ہمارا منہ تک نہیں دیکھا۔" فاروق بولا۔

"بے چارے آرام نے — آرام بھی بھلا بے چارہ ہو سکتا
ہے — تم شاید یہ کہنا چاہتے تھے — ہم بے چاروں نے آرام
ا منہ نہیں دیکھا۔" فرزانہ نے مذاق اڑانے کے انداز میں کہا۔

"غلط — بالکل غلط — آرام کا تو منہ ہوتا ہی نہیں — منہ تو
ہمارے ہوتے ہیں — لہذا میرا ہی جملہ درست تھا۔" فاروق نے
ر زور لہجے میں کہا۔

"کیوں ابا جان! انھیں پچھتانے کی کیا خاص ضرورت پڑنے
والی ہے۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ایک بار انھیں کھلی چھٹی دے دی گئی تو پھر یہ
رکنے کا نام نہیں لیں گے۔"

"کوئی بات نہیں — ہم بھی تھکنے کا نام نہیں لیں
گے۔" عبدالکریم نے جلدی سے کہا۔

"ارے باپ رے — آپ سب نے تو میرے خلاف محاذ
قائم کر لیا — اب بہتر یہ ہے کہ میں اکیلا یہاں سے اٹھ
جاؤں — اور اپنے کمرے کی راہ لوں — تاکہ سامان سمیٹنے
کا کام تو کر ہی سکوں۔" انسپکٹر جمشید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ کی مرضی — ہم بھلا آپ کو کس طرح روک سکتے ہیں۔"
فاروق بولا۔

انسپکٹر جمشید بُرے بُرے منہ بناتے کمرے سے نکل گئے —
ساتھ والا کمرہ ان کے لیے کھول دیا گیا — لیکن یہاں بھی وہ
سکون کا سانس نہ لے سکے — باتوں کی آواز یہاں صاف آ رہی تھی،
اور پھر تین گھنٹے کے بعد دروازہ کھلا — عبدالکریم، قاضی سلمان
فاروقی اور دوسرے لوگ اندر داخل ہوئے، ان کے چہرے کھلے پڑ
رہے تھے —

"میں نے ٹھیک کہا تھا نا — آپ تنگ آ گئے نا؟"
"نہیں جناب — بہت لطف آیا — ہم تو ابھی اٹھنے کے لیے

"وقت تیرے کی — یہ آدھ گھنٹا تو یہیں پورا ہو جائے گا شاید — آرام گیا بھاڑ میں۔" محمود نے تلملا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"لو بھئی — اب آرام کو بھاڑ میں جھونکا جا رہا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اور کیا کیا جائے — اب خود کو تو جھونکنے سے رہے۔" فاروق مسکرایا۔

"میرا خیال ہے — ہمیں اٹھ جانا چاہیے — ورنہ آپ لوگ بھی معلومات حاصل کرنے سے رہ جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا — کیوں کہ باقی لوگ بھی ان کی باتوں کو بہت دلچسپی سے سننے لگے تھے۔

اور سب لوگ اٹھ گئے — آدھ گھنٹے بعد معلومات ان کے سامنے تھیں — اور وہ بغور ان کا مطالعہ کر رہے تھے — مطالعہ مکمل کر لینے کے بعد بھی انسپکٹر جمشید بہت دیر تک سوچ میں ڈوبے رہے پھر انھوں نے عبدالکریم سے کہا:

"میں اپنے ملک کے ایک سائنس دان سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

سب لوگ باہر چلے گئے — محمود، فاروق اور فرزانہ بھی — انھوں نے پروفیسر داؤد سے سلسلہ ملایا — ان کی آواز سنتے ہی انسپکٹر جمشید بولے:

"پروفیسر صاحب — آپ کا خادم بول رہا ہوں۔"

"کہاں ہو بھئی —" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

انھوں نے مختصر طور پر بتایا — پھر جو باتیں ان سے پوچھنا تھیں پوچھیں اور ریسیور رکھ دیا —

"آپ لوگ اندر آ سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے — سب اندر آ گئے — انسپکٹر جمشید کے چہرے پر پر اسرار سی سنجیدگی طاری تھی۔

"میں کچھ دیر غور کروں گا — پھر اس معاملے سے پردہ اٹھاؤں گا — شاید ایک بہت ہی حیرت انگیز بات سامنے آنے والی ہے — اس قدر حیرت انگیز — کہ ہم نے کبھی سوچی بھی نہیں ہو گی — اگر میں بم رکھنے والے کا کھوج لگانے کے پیچھے نہ پڑتا اور ابھی جو تجربہ کیا، وہ نہ کرتا — تو شاید اس پہلو کی طرف کبھی توجہ نہ دیتا — آپ لوگوں کو میری یہ باتیں الجھن میں ڈال رہی ہوں گی — لیکن آپ فکر نہ کریں — اب صرف چند منٹ کے انتظار کی بات ہے — اس دوران سب لوگوں کو پھر سے جمع کر لیں — اس حادثے سے متعلق سبھی لوگ اگر یہاں موجود ہوں تو بہتر رہے گا۔"

اب وہ کمرے میں محمود، فاروق اور فرزانہ کے ساتھ تنہا رہ گئے — انھوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

"ہمیں تو کچھ بتا دیں۔ مارے سسپنس کے بُرا حال ہے۔"

"تمھیں بھی صبر کرنا ہو گا۔ ویسے تم ان رپورٹوں کو غور سے پڑھ لو۔ ہو سکتا ہے۔ تم کسی نتیجے پر پہنچ جاؤ۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ابّا جان۔ آپ کسی نتیجے پر پہنچے ہیں پروفیسر انکل سے بات کرتے کے بعد۔"

"خیر۔ ان سے ہونے والی بات چیت بھی میں لکھ دیتا ہوں۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"خیر۔ یہ اتنا بھی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اصولی طور پر پہلے تمھیں ان معلومات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ پھر مجھے بتانا چاہیے کہ اب تم پروفیسر صاحب سے کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ جو سوالات میرے ذہن میں ابھرے تھے۔ اگر وہی تم پوچھنا چاہو۔ تب تو تمھیں اس گفتگو سے آگاہ کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔"

"آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے۔ ہمیں ابھی گفتگو کے بارے میں نہ بتائیں۔ پہلے ہم ان معلومات کا مطالعہ ہی کریں گے۔" محمود نے پرجوش انداز میں کہا۔

وہ مطالعہ کرنے لگے۔ انسپکٹر جمشید اپنی سوچ میں گم ہو گئے۔ اس طرح ایک گھنٹا گزر گیا۔ آخر انھوں نے سر اٹھا کر کہا:

"کیوں بھئی۔ تم پروفیسر صاحب سے کچھ سوالات کرنا چاہتے ہو؟"

"ہم ابھی تک وہ سوالات اپنے ذہنوں میں نہیں لا سکے ابّا جان۔ ہمیں افسوس ہے۔" فرزانہ نے مایوسانہ انداز میں بولی۔

"اس میں افسوس کی کوئی بات نہیں۔ یہ بات تو آج تک کسی کے ذہن میں بھی نہیں آئی۔ چلو۔ سب لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"تو کیا آپ اپنا غور مکمل کر چکے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"ہاں! اب میرے ذہن میں کوئی الجھن نہیں رہی۔ تمام باتیں صاف ہو چکی ہیں۔ میں جان چکا ہوں۔ یہ حادثہ کس طرح ہوا ہے۔"

وہ باہر نکل کر اس ہال میں پہنچے۔ جہاں سب لوگ جمع تھے۔ ان کے لیے ایک سٹیج بنایا گیا تھا۔ جیسے وہ تقریر کرنے والے ہوں۔ سٹیج کو دیکھ کر وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ آخر وہ اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ سب کی نظریں انسپکٹر جمشید پر جمی تھیں۔ آخر ان کے لب ہلے:

"آپ سب۔ بلکہ آپ سبھی نہیں۔ پورا ملک۔ بلکہ پورا عالمِ اسلام یہ جاننے کے لیے بری طرح بے تاب ہے کہ

حادثہ کیسے ہوا۔ میں اس معاملے سے پردہ اٹھاتا ہوں۔ آپ
لوگوں کو یاد ہو گا کہ ہمارے ملک میں بھی کچھ عرصہ پہلے بالکل
اسی قسم کا حادثہ ہوا تھا۔ ہمارے صدر اور ان کے فوجی ساتھی
اس طیارے میں سوار تھے۔ طیارہ ایرپورٹ سے اڑا ہی تھا
کہ زمین پر گر کر تباہ ہو گیا۔ طیارے کے مسافروں میں سے
کوئی ایک بھی نہیں بچ سکا تھا۔ آپ لوگوں کو اچھی طرح یاد
ہے نا۔"

"جی ہاں۔ بالکل یاد ہے۔" سب نے ایک ساتھ کہا۔

"اس اجلاس کی حفاظت کے لیے انتظامات تو کیے گئے
ہوں گے۔"

"ہاں! فکر نہ کریں۔"

"شکریہ! یونہی خیال آ گیا۔ کہ شاید وہ بڑی طاقت اس راز کو
اس ہال سے باہر نہ جانے دے لہٰذا ہم سب کو یہیں ختم کرا دے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔" عبدالکریم نے کہا۔

"آمین۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ وہ حادثہ بالکل اسی طرح
پیش آیا۔ لیکن اس حادثے میں اور اس حادثے میں جو سب
سے زیادہ زبردست مشابہت ہے۔ وہ یہ ہے کہ دونوں طیارے
بھی بالکل ایک جیسے تھے۔"

"اوہ!" ہال میں موجود لوگ حیران رہ گئے۔

"اس بات کو ذہن میں رکھ کر میں نے بہت غور کیا۔ ہمارے
حادثے میں بھی آج تک یہ بات معلوم نہیں کی جا سکی کہ بم
طیارے میں کس نے رکھا۔ اور نہ اس حادثے میں یہ بات معلوم
کی جا سکی۔ اپنے ملک میں تو خیر ہمیں تفتیش کا موقع ہی
نہیں دیا گیا تھا۔ ورنہ شاید یہ راز ہم پہلے ہی جان لیتے،
لیکن اس بار ہمیں کھل کر کام کرنے کا موقع ملا اور اس کا
نتیجہ یہ نکلا کہ ملکی حد تک اس حادثے کے ذمے دار لوگ گرفتار
کر لیے گئے۔ لیکن یہ کسی طرح معلوم نہ کیا جا سکا کہ بم
کس نے رکھا تھا۔ جب کہ اس کی گرفتاری بہت ضروری
تھی اور یہ معلوم کرنا انتہائی ضروری تھا کہ وہ شخص بم
رکھنے میں کس طرح کامیاب ہو گیا۔ تاکہ آئندہ دشمن اسلام
لوگ اس قسم کی کسی سازش میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ ہر
طرح سے ناکام ہو کر میں نے طیارے کے بارے میں معلومات
منگوائیں۔ ان کا مطالعہ کیا۔ اس سے پہلے ہونے والے حادثہ
کو ذہن میں تازہ کیا اور مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ دونوں جہاز
بالکل ایک جیسے تھے۔ انشارجہ سے خریدے گئے تھے۔
دونوں میں بال برابر فرق نہیں تھا۔ یہ بھی اسلامی ملک ہے
اور ہمارا ملک بھی اسلامی ہے اور انشارجہ بظاہر ہمارا دوست
ہے۔ ہمیں اسلحہ اور دوسری چیزیں فراخ دلی سے فروخت کرتا

رہتا ہے، امداد بھی کرتا ہے، لیکن دراصل اس ظاہری دوستی کے
پردے میں، اسلام دشمنی کرنے کے اس کے مختلف طریقے اور انداز
ہیں، ان طریقوں اور اندازوں کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ یہ دشمنی
بہت خطرناک بھی ہوتی ہے۔ دراصل اس دوستی کے ذریعے یہ ہمیں
مکمل طور پر غلام بنا لینا چاہتا ہے۔ انشارجہ چاہتا ہے۔ اسلامی
حکومتیں اس کے اشاروں پر چلیں۔ اب ظاہر ہے۔ جب اسلامی ملک
اس سے اسلحہ لیں گے، اس سے امداد لیں گے۔ تو اس کی
باتیں بھی ماننا ہوں گی۔ لیکن بعض باتیں ماننے کے قابل ہوتی
ہیں اور بعض ایسی ہوتی ہیں کہ ملک کے حق میں زہر ہوں۔ اب
ہر صدر یا وزیرِ اعظم یا امیر کے ایمان کی قوت بھی اپنی اپنی ہوتی
ہے۔ کوئی بلا چوں چرا انشارجہ کے احکامات ماننا چلا جاتا ہے۔
کوئی کچھ باتیں مانتا ہے، کچھ نہیں مانتا۔ اور کوئی بالکل ماننے
سے انکار کر دیتا ہے۔ اس قسم کے حادثات ایسے صدروں،
وزیراعظموں اور امیروں کے لیے ہوتے ہیں۔ جب کوئی
صدر انشارجہ کی کسی بڑی اور اہم بات کو تسلیم نہیں کرتا اور
اس بات کی وجہ سے انشارجہ کے مفادات کو نقصان پہنچنے والا
ہوتا ہے تو دھماکا ہو جاتا ہے۔ لیکن دھماکا اس انداز سے
ہوتا ہے کہ دنیا یہ سوچتی بھی نہیں کہ یہ حادثہ براہِ راست انشارجہ

نے کرایا ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے ملک میں صدر کے
طیارے کو حادثہ پیش آیا تو اس میں انشارجہ کا اپنا بھی
ایک آدمی تھا۔ اب لوگوں نے فوراً کہہ دیا۔ انشارجہ کا
تو یہ کام ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کا تو اپنا آدمی اندر
تھا۔ لوگ یہ نہیں سوچتے۔ کہ یہ بڑے ملک۔ غیر مسلم
ملک اسلام کو نقصان پہنچانے کے سلسلے میں کبھی کبھار اپنے
آدمی کٹوا دیتے ہیں۔ اور پھر اس حادثے میں پروگرام تو
دراصل یہ تھا کہ انشارجہ کا سفیر عین وقت پر اتار لیا جائے۔
لیکن اتفاق کی بات کہ اتارنے کی کوشش ناکام ہو گئی۔
اس کی موت کا وقت آ گیا تھا۔ اور وہ بھی مر گیا۔
ہم اس حادثے کے ذمے دار کچھ لوگوں کو گرفتار کر
چکے ہیں یا وہ انشارجہ کے جاسوسوں کے ذریعے موت کے
گھاٹ اتار دیے گئے ہیں۔ سوال صرف یہ رہ گیا تھا کہ
بم کس نے رکھا ہے۔ یہ معلوم کر کے ہم اس ناسور
کو گرفتار کرنا چاہتے تھے تاکہ آئندہ اس قسم کا حادثہ
نہ ہو سکے۔ لیکن ہم ایسا آدمی گرفتار نہیں کر سکے اور
کر بھی کس طرح سکتے تھے۔ جب کہ بم طیارے میں رکھوایا
ہی نہیں گیا۔" یہاں تک کہ وہ ایک جھٹکے سے رکے۔

"آپ نے کیا فرمایا۔ بم رکھوایا ہی نہیں گیا۔"

"ہاں! میں نے یہی کہا ہے۔ بم نہیں رکھوایا گیا، حقیقت بھی یہی ہے۔ اسی لیے تو ہم کوئی آدمی گرفتار نہیں کر سکے۔ ورنہ جس باریک بینی سے ہم نے سراغ رسانی کی ہے۔ وہ آدمی بچ نہیں سکتا تھا۔"

"تب پھر جہاز کیسے اڑ گیا۔" محمود کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"اور۔ وہ شخص۔ یعنی ریاض قدیر جو ریموٹ کنٹرول آلہ لیے کھڑا تھا۔ وہ کس لیے کھڑا تھا۔" فاروق بولا۔

"اور سیٹھ جالوت روحی ریاض قدیر کی نگرانی کیوں کر رہا تھا۔" فرزانہ بولی۔

"میں ان باتوں کے جوابات دوں گا۔ فکر نہ کریں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن جناب۔ یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ طیارے میں بم تو رکھوایا گیا ہی نہیں اور طیارہ اڑ گیا۔"

"ہاں! یہ بات واقعی بہت عجیب ہے۔ پہلے میں بھی اس میں الجھ گیا تھا۔ لیکن جب ذہن میں اصل بات آئی تو معاملہ بالکل صاف ہو گیا۔ اور میں تو اب بھی دعوے سے کہہ سکتا

ہوں کہ ہمارے ملک میں صدر کے طیارے میں بھی بم نہیں رکھوایا گیا تھا۔"

"جی۔ کیا مطلب۔ آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔"

"بالکل سیدھی سی بات۔ دونوں طیاروں میں بم سرے سے رکھوایا ہی نہیں گیا۔ اور یہ بات بالکل سامنے کی ہے۔"

"تب پھر ریموٹ کنٹرول آلے سے کیا کام لیا گیا۔" فرزانہ نے بے تابانہ کہا۔

"ہاں! یہ ہے سوال۔ کہ ریموٹ کنٹرول آلے سے کیا کام لیا گیا۔ اور یہی بتانے کے لیے میں نے آپ لوگوں کو یہاں جمع کیا ہے۔ تاکہ آئندہ ہم اس پہلو پر بھی غور کر سکیں۔ دونوں طیارے انشارجہ سے خریدے گئے۔ انشارجہ میں تیار کیے گئے۔ انشارجہ کی حکومت کو پتا تھا کہ یہ طیارے انھیں کس کس ملک کے صدر کے لیے تیار کرنا ہیں۔ لہذا ان کے انجنوں میں پہلے ہی کچھ ایسے آلات فٹ کر دیے گئے کہ جب ضرورت پڑے۔ ان آلات کے ذریعے انجن جام کر دیے جائیں۔ اور ایسا ریموٹ کنٹرول آلے کی مدد سے کیا جائے۔ ان کے ریموٹ کنٹرول بھی ساتھ ہی تیار کیے گئے۔ البتہ وہ

حکومت کے پاس محفوظ رہے — تاکہ جب ضرورت پڑے —
اپنے ایجنٹوں کو دے کر ہدایات دے دی جائیں —
اب ذرا دیکھیے — انھیں کرنا ہی کیا تھا، صرف ایک بٹن
ہی تو دبانا تھا۔"

"اوہ!"

کمرے میں موجود تمام لوگ سکتے میں رہ گئے۔

جاسوسی سیر

کمرے میں بہت دیر تک موت کا سناٹا طاری رہا، پھر
کسی نے کہا:

"کس قدر سنسنی خیز انکشاف ہوا ہے — ہم تو کبھی سوچ
بھی نہیں سکتے تھے۔"

"اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ موجودہ صدر، وزیراعظم
یا امیر بھی محفوظ نہیں ہیں — کیونکہ ان کے استعمال میں
بھی انتشارجہ کے ہی طیارے ہیں۔" عبدالکریم نے کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے — لیکن اب جب کہ ہم اس راز
کی تہ تک پہنچ چکے ہیں — حفاظتی اقدامات کر سکتے ہیں،
ہمارے سائنس دان اس پہلو کو سامنے رکھ کر ہر طیارے
کا پہلے ہی مکمل طور پر جائزہ لے لیا کریں گے — ہمارے
ملک میں بہت پائے کے سائنس دان موجود ہیں — وہ یہ

کام بآسانی کر سکیں گے۔۔۔ جن اسلامی ملکوں کو ان کی خدمات کی
ضرورت ہو گی۔۔۔ ان کے ہاں بھی انھیں بھیج دیا جایا کرے
گا۔۔۔ دوسرے یہ کہ طیارے انشارجہ سے نہ خریدے جائیں۔۔۔
کچھ اور ملک بھی ہیں جو طیارے بناتے ہیں۔۔۔ ان سے سودا
کیا جائے۔۔۔ نہیں تو چیکنگ ہر حال میں کرائی جائے۔۔۔
اس طرح انشارجہ کی عقل بھی ٹھکانے آ جائے گی۔۔۔ اس
راز سے تمام اسلامی ملکوں کو خبردار کر دیا جائے۔"

"ایسا ہی کرنا ہو گا۔"

"اور اب چونکہ یہ کیس ختم ہو چکا ہے۔۔۔ اس لیے ہم
اجازت چاہیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہر کیس کے آخر میں اجازت چاہنے کا ویسے بھی ہمارا
کچھ اصول بنتا جا رہا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"کیا یہ مناسب نہیں رہے گا کہ آپ چند روز اور
ہمارے ساتھ گزاریں۔۔۔ ہم آپ کو یہاں کی سیر تک تو
کرا نہیں سکے۔" عبدالکریم نے کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔ ہم یہاں سیر ہی تو کرتے
رہے ہیں اب تک۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں! لیکن جاسوسی سیر۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"دیکھیے۔۔۔ آپ کے یہ صاحب زادے یہاں ٹھہرنے کے

حق میں ہیں۔" عبدالکریم نے جلدی سے کہا۔

"یہ آپ نے کیا کہہ دیا۔۔۔ ڈانٹ پلوانے کا ارادہ ہے
کیا۔" فاروق گھبرا گیا۔

"ان کی آپ نے ایک ہی کہی۔۔۔ یہ تو ہر جگہ اٹکنے کا
ارادہ ظاہر کر دیتے ہیں۔۔۔ پہلے تو گھر سے چلتے وقت
منہ بنائیں گے اور پھر گھر کے لیے روانہ ہوتے وقت
بھی منہ بنائیں گے۔۔۔ ہے کوئی تُک۔"

"تُک کا ہونا اتنا ضروری بھی نہیں۔" فاروق نے جل
کر کہا۔

"ہاں۔۔۔ جلنا البتہ ضروری ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"میرے خیال میں اب ہمیں یہاں سے اٹھ ہی جانا
چاہیے۔۔۔ ورنہ ان کی مہابھارت شروع ہو گئی تو پھر
گئے ہم کام سے۔" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"کرنے دیجیے انھیں باتیں۔۔۔ بہت اچھے لگ رہے
ہیں۔" قاضی سلمان فاروقی نے کہا۔

"شکریہ جناب۔۔۔ آپ بہت اچھے ہیں۔" فاروق خوش
ہو گیا۔

"آپ پچھتائیں گے جناب۔" انسپکٹر جمشید نے گویا خبردار
کیا۔

"کیوں ابا جان! انھیں پچھتانے کی کیا خاص ضرورت پڑنے والی ہے۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ایک بار انھیں کھلی چھٹی دے دی گئی تو پھر یہ رکنے کا نام نہیں لیں گے۔"

"کوئی بات نہیں — ہم بھی تھکنے کا نام نہیں لیں گے۔" عبدالکریم نے جلدی سے کہا۔

"ارے باپ رے — آپ سب نے تو میرے خلاف محاذ قائم کر لیا — اب بہتر یہ ہے کہ میں اکیلا یہاں سے اٹھ جاؤں — اور اپنے کمرے کی راہ لوں — تاکہ سامان سمیٹنے کا کام تو کر ہی سکوں۔" انسپکٹر جمشید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ کی مرضی — ہم بھلا آپ کو کس طرح روک سکتے ہیں۔" فاروق بولا۔

انسپکٹر جمشید بڑے بڑے منہ بناتے کمرے سے نکل گئے — ساتھ والا کمرہ ان کے لیے کھول دیا گیا — لیکن یہاں بھی وہ سکون کا سانس نہ لے سکے — باتوں کی آواز یہاں صاف آ رہی تھی، اور پھر تین گھنٹے کے بعد دروازہ کھلا — عبدالکریم، قاضی سلمان فاروقی اور دوسرے لوگ اندر داخل ہوئے، ان کے چہرے کھلے پڑ رہے تھے —

"میں نے ٹھیک کہا تھا نا — آپ تنگ آ گئے نا۔"

"نہیں جناب — بہت لطف آیا — ہم تو ابھی اٹھنے کے لیے